جلد ۶۹ ماہ رجب المرجب ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۲ء عدد ۴

مضامین

شذرات

مشرقی بنگال مین اردو اور بنگالی کے مسئلہ نے جو افسوسناک شکل اختیار کرلی ہے، وہ پاکستان کے قومی و ملی مفاد کے لئے سخت مضر ہے، اس لئے خوش اسلوبی اور باہمی اعتماد اور رواداری کے ساتھ اس کا خاتمہ ضروری ہے، بنگالی زبان کی صوبائی اہمیت مسلم ہے، اس کو باقی رکھنا اور ترقی دینا حکومت کا فرض ہے، مگر مرکزی حکومت کی زبان ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے، خود ہندوستان مین جہان درجنون زبانین بولی جاتی ہین، اور ان مین سے بعض بڑی ترقی یافتہ بھی ہین، سرکاری زبان ایک ہی ہے، اس لئے اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ بالکل نرالا ہے، اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو اس سے محروم رکھا جائے،

بنگالی زبان کی حمایت مین زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ پاکستان کی آبادی کے بڑے حصہ کی زبان ہے، اس کی تمام زبانون مین سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، اور اردو پاکستان کے کسی صوبہ کی مادری زبان نہین ہے، مگر ان مین سے ایک دلیل بھی قوی نہین ہے، اولاً مشرقی پاکستان کے کل باشندے اردو کے مخالف نہین ہین، بلکہ وہان اس کے حامیون کی بھی خاصی تعداد موجود ہے، اور مغربی پاکستان تو پورے کا پورا اردو کی حمایت مین ہے، اور اگر بالفرض مشرقی پاکستان کی آواز متفقہ بھی ہوتی، تو بھی ایسے اہم مسائل کا فیصلہ جس کا اثر قوم و ملک کے مستقبل پر پڑتا ہے کسی صوبہ کی عددی اکثریت سے نہین، بلکہ ملکی مفاد کے نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے، اگر آج مشرقی اور مغربی بنگال کے باشندے مرکز سے آزادی کا فیصلہ کرلین جیسا کہ کبھی کبھی متحدہ بنگال کی آواز سننے مین آتی ہے، تو اس کو نہ ہندوستان مان سکتا ہے اور نہ پاکستان،

مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے مقابلہ مین صرف ایک امتیاز یعنی عددی اکثریت حاصل ہے، لیکن

مغربی پاکستان کو اس کے مقابلہ مین بہت سے امتیازات حاصل ہین، وہ ہر حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور ترقی یافتہ ہے، بلکہ مشرقی پاکستان کا وجود ہی مغربی پاکستان سے وابستہ ہے، اس لئے اس کی آواز کو کس طرح نظرانداز کیا جاسکتا ہے، یہ صحیح ہے، کہ بنگالی پاکستان کی تمام صوبائی زبانون مین سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، لیکن پاکستان کے قومی و ملی نقطۂ نظر سے اس کو اردو سے کوئی نسبت نہین، اردو اسلامی علوم و فنون اور اسلامی کلچر کے اثرات سے مالا مال اور بنگالی اس سے خالی ہے، جس کی مشرقی بنگال کے مسلمانون کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اردو پاکستان کے کسی صوبہ کی مادری زبان نہین ہے، مگر وہ بنگال کے علاوہ پاکستان کے تمام صوبون کے مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی و تہذیبی زبان ہے، پنجاب تو عرصہ سے اردو کا مرکز ہے، اور اب کراچی بھی بن رہا ہے، اردو پاکستان کے تمام صوبون مین سمجھی اور بڑے بڑے شہرون مین بولی بھی جاتی ہے، وہ پاکستان کی اور تمام زبانین صوبون کے اندر محدود ہین، اس لئے اردو ہی پاکستان کی سرکاری اور مشترک زبان ہو سکتی ہے، خود ہندوستان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، جہان ایک ایسی زبان کو سرکاری زبان بنایا گیا ہے جو کسی صوبہ کی مادری زبان نہین ہے، اور نہ ابھی تک کہین سمجھی اور بولی جاتی ہے، خود انگریزی ہندوستان کے کس خطہ کی زبان تھی جس کا بنگالیون نے سب سے پہلے استقبال کیا تھا، ایسی حالت مین اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے مین کیا اعتراض ہو سکتا ہے،

ان باتون سے قطع نظر اردو کا مسئلہ پاکستان خصوصاً مشرقی بنگال کے لئے لسانی سے زیادہ تمدنی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے، اس کے بغیر پاکستان کے صوبون مین قومی وحدت اور تہذیبی یکرنگی قائم نہین ہو سکتی، یہ مسلم ہے کہ مشرقی بنگال کے مسلمان ہندوستان اور پاکستان کے تمام مسلمانون مین سب سے زیادہ پسماندہ، اسلامی کلچر سے ناآشنا اور عام اسلامی برادری سے بالکل الگ اور اس سے بالکل مختلف ہین، بلکہ ان کے مقابلہ مین ہندوستان اور پاکستان کے بعض بعض صوبون کے ہندو مسلمانون سے زیادہ قریب ہین، اس کا سبب مشرقی پاکستان کے مسلمانون کی تہذیبی بے مائگی ہے، جس کے حصول کا ذریعہ صرف اردو زبان ہے، ہندوستان اور پاکستان کی تمام زبانون مین اسلامی کلچر کے سب سے زیادہ اثرات اور اسلامی علوم و فنون کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو ہی مین ہے، اور ان دونون ملکون کے مسلمانون کے لئے اس کی وہی حیثیت ہے، جو دنیائے اسلام کے لئے عربی کی ہے، اس لئے مشرقی بنگال کے مسلمانون کی اسلامی تعلیم و تربیت، تہذیبی ترقی، اور دوسرے مسلمانون سے ان کی قربت اور ہمرنگی کے لئے اردو نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ نہ اسلامی

کلچر سے آشنا ہو سکتے ہین، نہ ترقی یافتہ مسلمانون کی سطح پر آسکتے ہین، اور نہ ان سے قریب ہو سکتے ہین،

اس حقیقت کو بنگال کے ہوشمند اور صاحب بصیرت طبقہ نے قیام پاکستان سے برسون پہلے جب عالم خیال مین بھی اس کا وجود نہ تھا محسوس کر لیا تھا، اور سرکاری طور پر بنگالی مسلمانون کی اردو کی تعلیم کی کوشش شروع کر دی تھی، اُس کی مفصل روداد بدر الدین احمد صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولز محمڈن ایجوکیشن پریسیڈنسی ڈویزن بنگال نے مشرقی بنگال کے لئے "فوری خطرہ" کے نام سے لکھی تھی، جس کا ترجمہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے اخبار قومی زبان ...... کے کئی نمبرون مین شائع ہو چکا ہے، اس مین مشرقی بنگال کے مسلمانون کی اردو کی تعلیم کی اہمیت کے مسئلہ پر نہایت مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ مین جو کوششیں کی گئی ہین، ان سب کی پوری تفصیل درج ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو مشرقی پاکستان کے لئے علمی مذہبی، اور کلچرل حیثیت سے کس درجہ ضروری ہے،

اردو سے بنگالی زبان کو نقصان پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہین ہے، کیونکہ صوبہ کی سرکاری و تعلیمی زبان تو بہرحال بنگالی رہے گی، اس لئے اسکی صوبائی اہمیت مین کوئی فرق نہین آسکتا، بلکہ اردو کے اثر سے بنگالی زبان مین اور زیادہ وسعت اور لطافت پیدا ہو گی اور بنگالی کے اثر سے اردو اس سے قریب تر ہوتی جائے گی، ہم کچھ دنون مین بنگال مین اردو زبان ایک نیا روپ اختیار کرے گی جس مین بنگالی زبان کے بھی اثرات ہون گے، اس لئے اردو سے بنگالی زبان کو کوئی نقصان نہین پہنچ سکتا، بلکہ اس مین اور زیادہ وسعت و ترقی ہو گی، اس لئے مشرقی بنگال کے مسلمانون کو اس مسئلہ پر محدود صوبائی نقطۂ نظر کے بجائے وسیع قومی و ملی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہئے،

مارچ کی آخری تاریخون مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی صدر مجلس کا رکن مجلس مذکور کے جلسہ مین شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، دو دن بہت پر لطف علمی صحبت رہی، اور موصوف نے رفقاء کو مفید علمی مشورون سے سرفراز فرمایا، گذشتہ مہینہ کے شذرات مین مولانا کی جس تفسیر کا ذکر کیا گیا تھا، ہندوستان مین اس کے ملنے کا پتہ دفتر صدق جدید کچہری روڈ لکھنو ہے،

مقالات

یونانی فلسفہ کے تاریخی ماخذ

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

قدیم زمانہ مین علوم و فنون کی تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ نہ تھا کہ ہر علم کی ابتداء، نشوونما، ترقی اور تنزل کے مختلف دور قائم کئے جائین، اور اُن کے تغیرات و اثرات اور خصوصیات الگ الگ دکھلائے جائین، بلکہ عام طریقہ یہ تھا کہ ہر فن کے علماء و مصنفین کے حالات لکھے جاتے تھے، اور انہی حالات کے ضمن مین اُن کے مسائل و اجتہادات بھی ضمنی طور پر آجاتے تھے، اب اگر کوئی شخص اس فن کی تاریخ لکھنا چاہے، تو اُس کو نہایت دیدہ ریزی اور وسعتِ نظر کے ساتھ ان علماء و مصنفین کے حالات سے ان ضمنی مسائل و اجتہادات کو چُن کر اُس فن کی تاریخ مرتب کرے، اس غرض سے مسلمانون نے فنِ تذکرہ و اسماء الرجال کو ایجاد کیا اور اس مین اسقدر وسعت پیدا کی کہ دنیا کی کوئی قوم اس فن مین اُن کا مقابلہ نہین کر سکتی، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین، شعراء و ادباء غرض اہلِ علم کا کوئی طبقہ ایسا نہین ہے جن کے حالات مین بکثرت کتابین نہ لکھی گئی ہون لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تصنیفات کا محرک زیادہ تر لٹریچر، مذہب، اور قومیت کا جذبہ تھا، اس لئے جو علوم لٹریچر، مذہب اور قومیت سے کوئی تعلق نہین رکھتے تھے، اُن کے خدمتگذارون کے حالات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی، اور حکماء و فلاسفہ کے حالات مین بہت کم کتابین لکھی گئین، کیونکہ اولاً تو فلسفہ و حکمت کو لٹریچر، مذہب

اور قومیت سے کوئی تعلق نہ تھا، دوسرے یونانیون کے علاوہ حکماء وفلاسفہ کے گروہ مین زیادہ تر عیسائی، یہودی
اور صابی مذہب کے لوگ شامل تھے، اور ظاہر ہے کہ مسلمانون کو قومی اور مذہبی حیثیت سے اُن کے حالات و
اجتہادات سے کوئی دلچسپی نہین ہوسکتی تھی، اس لئے اسلامی تاریخ مین دوسرے فنون کے اصحابِ کمال کے
مقابلہ مین حکماء وفلاسفہ کے حالات مین کم کتابین لکھی گئین، تاہم مسلمانون کے ہمہ گیر علمی ذوق سے یہ طبقہ بھی
محروم نہین رہا، البتہ جو کتابین لکھی گئین، اُن کو فلسفہ کی تاریخ اور فلسفہ کے مسائل سے بہت کم تعلق تھا، غالبًا
سب سے پہلے حکماء وفلاسفہ کے حالات مین ابوداؤد سلیمان بن حسان بن جلجل نے جو چوتھی صدی مین اندلس کا
ایک مشہور طبیب تھا، ایک مختصر سی کتاب لکھی، جس کی نسبت قفطی نے لکھا ہے کہ

"اس کو قدماء کے علوم واخبار سے واقفیت تھی، اور اس نے حکماء کی تاریخ مین ایک چھوٹی سی
کتاب لکھی ہے، جو نہایت ناکافی اور تشنہ ہے، لیکن بااین ہمہ جو کچھ لکھا ہے، اچھا لکھا ہے"[۱]

اس کے بعد پانچوین اور چھٹی صدی مین اس کو اور زیادہ ترقی ہوئی، اور قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد
ابن صاعد الاندلسی المتوفی ۴۶۲ھ اور امیر عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے حکماء کے حالات مین
مستقل کتابین لکھین، صاحبِ کشف الظنون نے قاضی صاعد کی کتاب کا نام ایک موقع پر صوان الحکمۃ
اور دوسرے موقع پر صوان الحکم بتایا ہے[۲]، پھر دوسرے موقع پر صوان الحکمۃ کے متعلق لکھا ہے کہ

"یہ ابوجعفر بن بویہ شاہ سجستان کی تصنیف ہے، جس کا ذکر شہرزوری نے تاریخ الحکماء
مین کیا ہے[۳]، شہرزوری نے ابوجعفر بن بویہ ملک سجستان کا نہایت مفصل تذکرہ لکھا ہے،
لیکن اوس کی اس کتاب کا نام اوس نے کہین نہین لیا ہے، تاہم اوس نے اوس کے جو
حالات لکھے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمائے یونان کے حالات ونظریات کا نہایت
شیدائی تھا، اور انہی کی روش کے مطابق حکومت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کو یونانیون کا کلام،

---

[۱] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۳۰ [۲] کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۰۱ و ص ۶۹ [۳] ایضاً جلد ۲ ص ۸۱،

ان کے نوادر اور ان کے حالات اس قدر یاد تھے، جو اور کسی کو یاد نہ تھے، وہ کہا کرتا تھا کہ یہ وہ
سونے کے ڈلے ہین، جو اب تک ڈھالے نہین گئے ہین، اوس کو یونانیون کے لطائف بہت
پسند تھے، اور کہا کرتا تھا کہ جس قوم کی ظرافت اور خوش طبعی کا یہ حال ہے تو اس کے سنجیدہ
کلام کا کیا حال ہوگا؟ اوس کو وہ تمام فقرے یاد تھے، جو ارسطو نے سیاست کے متعلق اسکندر
کو لکھے تھے، یا زبانی کہے تھے، اور کہتا تھا کہ اب یہ زمانہ گذر گیا، اور لوگ عقل، مذہب، اور
اخلاق سے بالکل تہی دامن ہوگئے، اور اس کا علاج تلوار کے سوا کچھ نہین، اس کے بعد
اس کے بعض فلسفیانہ نکات بیان کئے ہین، اور اُس کے درباری حکماء نے اُس کے یہ فضائل
بیان کئے ہین کہ حکمت کے راستون کے بند ہو جانے کے بعد تونے اُن کو کھول دیا، اور باوجود
لوگون کی برگشتگی کے تونے لوگون کو ان کی طرف بلایا، اور اپنے گرد اہل فلسفہ کی ایک جماعت
کو جمع کرکے اُن پر حد سے زیادہ احسانات کئے"

اس لئے اگر ایک ایسے شخص نے حکماء کے حالات مین کوئی کتاب لکھی ہو، تو کوئی تعجب انگیز بات نہین،
لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام کتابین اس وقت ناپید ہین، اور ہم اُن سے تاریخ فلسفہ کے متعلق کوئی فائدہ
نہین اٹھا سکتے، البتہ صوان الحکمۃ کے علاوہ قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم کے نام سے بھی ایک کتاب
لکھی ہے، جس مین ان قومون کے حالات لکھے ہین، جنھون نے دنیا مین علم کی روشنی پھیلائی ہے، اگرچہ اس
سلسلہ مین ان قومون کے تمام علوم وفنون کی تاریخ لکھی جاسکتی تھی، تاہم قاضی صاعد نے صرف فلسفیانہ
علوم کی تاریخ لکھی ہے، جس سے فلسفہ کی ترقی اور نشو ونما کے اجمالی حالات معلوم ہوسکتے ہین، ان سب
کے بعد وزیر جمال الدین الاکرم ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم الشیبانی القفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے اخبار الحکماء
کے نام سے اور اُن کے بعد علامہ موفق الدین ابی العباس احمد بن قاسم بن خلیفہ بن یونس السعدی الخزرجی
المعروف بابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۳ھ نے عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے نام سے دو جلدون مین

حکماء واطباء کے حالات لکھے، اور یہ دونون کتابین چھپ گئی ہین، اور جرجی زیدان نے فلسفۂ اسلام کے جو ماخذ بتائے ہین، ان مین انہی دونون کتابون کا نام لیا ہے،

ان دونون سے پہلے شہرزوری نے نزہتہ الارواح وروضتہ الافراح کے نام سے حکماء وفلاسفہ کے حالات مین ایک کتاب دو جلدون مین لکھی تھی، جس کی دوسری جلد کا ایک قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے،

حکیم ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی نے حکماء کے حالات مین ایک کتاب صوان الحکمۃ نام سے لکھی تھی، جس کا تتمہ امام ظہیر الدین ابی الحسن علی بن ابی القاسم زید بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے لکھا جس کو پروفیسر محمد شفیع ایم۔اے استاذ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے،

ان کتابون کے علاوہ فہرست ابن ندیم، کشف الظنون، مقدمہ ابن خلدون اور مختصر الدول سے بھی فلسفۂ اسلام کی اجمالی تاریخ معلوم ہوسکتی ہے،

ان تمام کتابون کے پیش نظر رکھنے کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلسفۂ اسلام کا اصلی ماخذ تو یونان ہے، پھر ان تذکرہ نویسون کو یونانی حکماء وفلاسفہ کے حالات کیونکر معلوم ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

اسلام سے پہلے خود حکمائے یونان نے حکمائے یونان کے حالات مین جو کتابین لکھی تھین، ان مین ایک حکیم فرفوریوس صوری تھا، جو جالینوس کے بعد شہر صور مین پیدا ہوا، اور اس نے حکماء وفلاسفۂ یونان کے حالات مین ایک کتاب لکھی، جو سریانی زبان مین موجود تھی، اور علامہ جمال الدین قفطی نے لکھا ہے کہ مجھکو خود اس کا چوتھا مقالہ سریانی زبان مین ملا،[1]

اس کے بعد اسلامی دور مین اسحاق بن حنین نے اطباء کے حالات مین ایک کتاب لکھی، جس کا ذکر علامہ جمال الدین قفطی نے اس کے حالات مین کیا ہے،[2] جبریل بن بختیشوع نے بھی حکماء کے حالات مین ایک

[1] اخبار الحکماء ص ۱۰، [2] ایضاً ص ۵،

کتاب لکھی تھی، جس کا حوالہ علامہ جمال الدین قفطی نے اصطفن حرانی کے ذکر مین دیا ہے،[1] اور غالباً ان دونون کا ماخذ بھی فرفوریس کی کتاب ہی،

بہرحال مسلمانون کے پاس حکمائے یونان کے حالات کے معلوم کرنے کے مستند ذرائع موجود تھے، اور ان سے انھون نے پورا فائدہ اٹھایا لیکن حالات سے زیادہ اہم چیز خود فلسفۂ یونان کی تاریخ ہے، اس لئے ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے، کہ ان کتابون سے ہم کو فلسفۂ یونان کی تاریخ کس قدر معلوم ہوتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ خود مسلمانون پر اس فلسفہ کا کیا اثر پڑا؟

صاعد اندلسی نے فلسفۂ یونان کی تاریخ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اور اس کے متعلق قفطی وغیرہ کا ماخذ انہی کی کتاب ہے، وہ لکھتے ہین، کہ یونانی ایک نہایت مشہور قوم ہے، جس مین بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہین، ان مین اسکندر سب سے بڑا فاتح اور کشورکشا تھا، جس نے ایران سے لیکر ترکستان، ہندوستان اور چین تک کو فتح کرلیا، اس کے بعد بہت سے اور بادشاہ پیدا ہوے، جو بطالسہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے،

انہی مین ایک کا نام بطلیموس فیلاذلفوس تھا، جس کی نسبت مختصر الدول مین لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا علم دوست تھا، اس کے زمانہ مین اگرچہ خود یونان مین فلسفہ وحکمت کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، لیکن اس نے صرف اسی ذخیرے پر قناعت نہین کی، بلکہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ہندوستان، ایران، جرجان، بابل اور سندھ وغیرہ مین فلسفہ وحکمت کی کتابون کا ایک ایسا ذخیرہ موجود ہے، جو یونانی فلسفہ وحکمت سے مختلف ہی تو اس نے اپنے قریہ گران ملکون کی کتابون کے جمع کرنے اور ان کو گران قدر قیمتون پر خریدنے اور تاجرون کو ان کتابون کے لانے کا حکم دیا، چنانچہ تھوڑے سے زمانہ مین چون ہزار ایک سو بیس کتابین

[1] اخبار الحکماء ص ۲۴۴،

جمع ہوگئین[1]، اور غالباً یونان کے فلسفہ پر ان کتابون کا اثر ضرور پڑا ہوگا، اس کے بعد رومیون نے یونان کو فتح کرلیا، اور اس کو اپنی سلطنت مین شامل کرلیا، اب دونون سلطنتین ایک ہوگئین، اور رومی سلطنت کے حدود مین بھی بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ پیدا ہوگئے، یہان تک کہ بہت سے لوگون کا خیال ہے کہ یونان مین جو مشہور حکماء و فلاسفہ گذرے ہین، وہ سب کے سب رومی تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سب یونانی تھے، لیکن چونکہ دونون سلطنتین اور دونون قومین باہم خلط ملط ہوگئی تھین، اس لئے لوگون کو یہ علم نہ ہوسکا، کہ یہ حکماء و فلاسفہ یونانی تھے، یا رومی، لیکن بہرحال دونون قومین فلسفہ و حکمت مین مشہور تھین، اور زمانۂ اسلام مین چونکہ صرف رومی سلطنت باقی رہ گئی تھی، اس لئے فلسفیانہ کتابون کا سب سے بڑا ذخیرہ رومی ہی سلطنت مین مل سکتا تھا، اس لئے جب خلیفہ مامون الرشید کو فلسفیانہ کتابون کی تلاش و جستجو کا شوق پیدا ہوا تو اس نے اس کے متعلق شاہ روم سے خط و کتابت کی اور جب شاہ روم نے ان کتابون کی تلاش کی، اور اوس کو ان کا کوئی پتہ نہین ملا، تو نہایت مغموم ہوکر کہا کہ مسلمانون کا بادشاہ مجھ سے یونانیون کا علم مانگتا ہے، اور مجھ کو اس کا سراغ نہین ملتا، اب مین کیا عذر کرون اور اس حالت مین رومیون کی کیا قدر و منزلت باقی رہے گی ؟ وہ اسی پوچھ گچھ مین مصروف تھا کہ ایک عیسائی راہب نے اس کو ایک مقفل مکان کا پتہ دیا، جس مین عیسائیت کی اشاعت کے بعد فلسفہ و حکمت کی تمام کتابین لوگون سے چھین کر بند کردی گئی تھین، اب اوس نے اپنے ارکانِ سلطنت سے مشورہ کرنے کے بعد اس مکان کو کھولا، اور تمام کتابین نکلین تو اوس نے اس راہب سے پوچھا کہ اگر یہ کتابین ایک اسلامی ملک مین بھیجدی جائین تو اس سے اوس کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان تو نہین پہونچے گا ؟ راہب نے جواب دیا کہ اس سے آپ کو ثواب ملے گا، کیونکہ یہ کتابین جس قوم مین پہونچین گی، اوس کے دینی اصول و ارکان کو متزلزل کردین گی، چنانچہ پانچ اونٹون پر لادکر یہ کتابین مامون کی خدمت مین بھیج دی گئین، اور مامون کے حکم سے ان کا ترجمہ رومی

[1] مختصر الدول ص ۹۹،

زبان سے عربی مین کیا گیا، اس سلسلہ مین ہمارے مورخین نے لکھا ہے کہ مامون نے ارسطو کو خواب مین دیکھا تھا، اور اس نے اوس کو چند مفید نصیحتین کی تھین، اسی خواب کے بعد اوس کو ارسطو کی تصنیفات کا شوق پیدا ہوا، اور اس نے شاہ روم سے صرف ارسطو کی تصنیفات کے بھیجنے کی خواہش کی تھی لیکن دورِ جدید کے بعض محققین نے اولاً تو اس خواب کو مشتبہ قرار دیا ہے، اور اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ شاہ روم نے جو کتابین بھیجی تھین، وہ سب کی سب ارسطو ہی کی تصنیفات تھین، کیونکہ پانچ اونٹون پر لاد کر کتابین بھیجی گئی تھین، اور یہ ظاہر ہے کہ ارسطو نے اتنی کتابین نہین لکھی تھین، اس کے علاوہ خود قفطی نے لکھا ہے کہ

ووجدوا فیہ کتباً کثیرۃ فاخذوا	ان لوگون نے اوس گھر مین بہت سی کتابین
من جانبھا بغیر علم وفحص خمسۃ	پائین، اس نے اس کے اطراف سے بغیر علم
احمال وسیرت الی المامون،	جستجو کے پانچ اونٹون کے بوجھ کے برابر کتابین
	لین، اور مامون کے پاس بھیجدین،

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ارسطو کی کتابین چھانٹ کر نہین بھیجی گئی تھین، بلکہ اس گھر مین کتابون کا جو ذخیرہ بھی ملا، اوس کو بھیج دیا گیا، مامون کے پاس جو کتابین بھیجی گئی تھین، ان مین بعض مکمل اور بعض ناقص تھین، اور یہ ناقص کتابین ناقص ہی حالت مین پڑی رہین،[1]

بہرحال اس قدر تو یقینی ہے کہ اس ذخیرہ مین تمام کتابین ارسطو کی نہین تھین، لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ ان کتابون مین کن کن فنون اور کن کن حکما کی کتابین تھین، اور ان مین کن کن کتابون کا ترجمہ کیا گیا، ؟ اور اس ذخیرے کے علاوہ روم مین فلسفہ و حکمت کی کتابون کا اور ذخیرہ کس قدر باقی رہ گیا؟ کشف الظنون مین لکھا ہے کہ بہت کم کتابون کا ترجمہ کیا گیا، اکثر کتابین خود یونان اور روم مین رہ گئین، جن کا ترجمہ عربی زبان مین نہین ہوسکا،[2] تاہم اس مین شبہہ نہین کہ جس قدر بڑے بڑے حکماء

[1] اخبار الحکماء ص ۲۰، [2] کشف الظنون جلد اول ص ۴۴۹،

یونان مین گذرے ہین ان سب کی کتابون کا ترجمہ کیا گیا، اور اُن کی رایون کا اثر حکماے اسلام اور فلسفہ اسلامی پر پڑا، ان حکما مین سب سے زیادہ مشہور پانچ شخص تھے، انبذقلیس، فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو، ان مین سب سے مقدم انبذقلیس ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ مین تھا، اور اس نے شام مین لقمان علیہ السلام سے حکمت سیکھی تھی، پھر شام سے یونان مین آیا، اور تخلیق عالم کے متعلق ایسی باتین کین جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا تھا، اس لئے لوگون نے اوس سے کنارہ کشی اختیار کی، اس کے متعلق اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، جس کو قفطی نے بچشم خود بیت المقدس کے کتب خانہ مین دیکھا تھا، فرقہ باطنیہ مین بعض لوگ اوس کے ہم خیال تھے، اور ان کے خیال مین اس کتاب مین ایسے رموز و اسرار تھے، جو بہت کم سمجھ مین آسکتے تھے، لیکن قفطی نے لکھا ہے کہ یہ محض ان لوگون کے خیالات ہین ورنہ مین نے اوسکی جو کتاب دیکھی ہے، اس مین اس قسم کی کوئی بات نہین[1]،

لیکن بہرحال اوس کے فلسفہ کو باطنیون کے خیالات سے مشابہت و مناسبت تھی، اس لئے باطنیون نے اوس کے مذہب کو قبول کر لیا، اور اوس کے فلسفہ کی ترویج و اشاعت مین سب سے زیادہ حصہ محمد بن عبداللہ بن میسرہ جبلی باطنی نے لیا، جو شعبان ۲۶۹ھ مین قرطبہ مین پیدا ہوا، اور شوال ۳۱۹ھ مین وفات پائی، وہ انبذقلیس کے فلسفہ کا بڑا شیدائی تھا، اور ہمیشہ اوس کے مطالعہ مین مصروف رہتا تھا، لیکن اوسکی وجہ سے اوس پر اہل مغرب نے زندقہ و الحاد کا الزام لگایا، اس لئے وہ وہان سے بھاگ کر مشرق یعنی عراق مین چلا آیا، اور یہان متکلمین اور معتزلہ وغیرہ سے مناظرہ و مباحثہ کرتا رہا، پھر مشرق سے پلٹ کر اندلس آیا، اور یہان زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگا، اس زاہدانہ زندگی کے ظاہری مناظر کو دیکھ کر لوگون نے اُس سے عقیدت مندی ظاہر کی، لیکن جب اوس کے عقائد معلوم ہوئے تو بعض لوگون نے اوس سے کنارہ کشی اختیار کی، اور بعض لوگون نے اسکے مذہب کو قبول کر لیا،

[1] اخبار الحکما ص ۱۱،

مشرق کے زمانۂ قیام مین وہ اپنے عقائد کی یادگار ایک مسئلہ بھی چھوڑ گیا، کیونکہ انبذقلیس پہلا فلسفی ہے جس کا خیال تھا، کہ خداوند تعالیٰ کی ذات مین جو مختلف اوصاف مثلاً علم، قدرت، جود و سخا، وغیرہ پائے جاتے ہین، وہ الگ الگ چیزین نہین ہین، بلکہ ان سب کا منشا صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اور تمام موجودات مین تو کثرت پائی جاتی ہے، اس لئے ان مین الگ الگ اوصاف موجود ہین، لیکن خداوند تعالیٰ کی ذات مین کثرت نہین پائی جاتی، اس لئے یہ اوصاف اس مین الگ الگ موجود نہین ہین، بلکہ صرف اس کی ذات ہی ان سب کا منشا ہے، اور معتزلہ مین ابوالہذیل محمد بن الہذیل البصری نے صفات باری کے متعلق اسی کا مذہب اختیار کیا ہے[1]،

فیثاغورث انبذقلیس کے بعد پیدا ہوا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے مصر مین حکمت سیکھی، اور ان سے پہلے وہ مصریون سے علم ہندسہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا، موسیقی کا فن اوس نے خود ایجاد کیا تھا، اور اس کا دعوی تھا کہ اُس نے اس کو مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا تھا، اعداد کے خواص کے مطابق اوس نے عالم کی ترکیب و ترتیب کے متعلق رموز و اشارات مین عجیب و غریب باتین لکھی ہین، معاد کے متعلق اس کا مذہب قریب قریب وہی ہے، جو انبذقلیس کا ہے، یعنی اس مادی عالم کے علاوہ ایک روحانی عالم اور بھی ہے، جس کے حسن و جمال کا ادراک عقل نہین کر سکتی، تمام پاکیزہ روحین اسکی مشتاق رہتی ہین، اور جس شخص نے اپنی روح کو، عجب و غرور، ریا و حسد، اور اس قسم کی جسمانی خواہشون کی گندگی سے پاک کر لیا ہے، وہ اس روحانی عالم سے ملنے کا مستحق ہو جاتا ہے، اور لذیذ چیزون کا فیضان خود بخود اس کی روح پر اس طرح ہوتا ہے، جس طرح نغمہ و سرود کی صدائین خود بخود کانون مین آتی ہین، طبقات الامم اور اخبار الحکما، مین اس کے صرف اسی قدر حالات مذکور ہین، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا، مین فرفوریوس صوری کی تاریخ الفلاسفہ اور محمود الدولہ ابوالوفا، مبشر بن فاتک کی کتاب

[1] اخبار الحکما ص ۱۲ و طبقات الامم ص ۲۲،

مختار الحکم ومحاسن الکلم سے اخذ کرکے اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے، اور اس کے اخلاقی اور فلسفیانہ اقوال نقل کئے ہین، اور لکھا ہے کہ سب سے پہلے اُسی نے فلسفہ کا نام فلسفہ رکھا[1]، اور جس طرح باطنیون مین بندقلیس کا فلسفہ مقبول ہوا تھا، اسی طرح فیثاغورث کا فلسفہ بھی مقبول ہوا، اور ارباب اخوان الصفار نے اُس کے پورے فلسفہ کو اپنے رسائل مین نقل کرلیا، سقراط اسی فیثاغورث کا شاگرد تھا، اور اس نے فلسفہ کی تمام شاخون مین سے صرف فلسفۂ الٰہی کو لے لیا تھا، اور صفاتِ باری کے متعلق اُس کا مذہب قریب قریب وہی تھا، جو فیثاغورث اور بندقلیس کا تھا، البتہ معاد کے متعلق اوس نے ضعیف رائین قائم کی تھین جن کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اوس نے اپنے فلسفیانہ خیالات ونظریات کو کتاب کی صورت مین مدون نہین کیا تھا، اور نہ اپنے شاگردون کو اس کی اجازت دی تھی، صرف رمز واشارات مین اُن کی تلقین کرتا تھا، اخبار الحکما اور طبقات الاطبار مین اس کے مفصل حالات لکھے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور لوگون کو توحید اور محاسن اخلاق کی تعلیم دیتا تھا، اور اسی بنا پر یونانیون نے اُس کی مخالفت کی، اور اس کو اس جرم مین زہر کا پیالہ پینا پڑا، اس بنا پر اس کے زمانہ سے اخلاقی تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہمارے بعض صوفیون نے اُن سے فائدہ اٹھایا، افلاطون بھی سقراط کی طرح فیثاغورث کا شاگرد تھا، اور ابتدا مین شعر کہا کرتا تھا، اور اس مین نہایت کمال پیدا کیا تھا، ابھی اس کی عمر ۲۰ سال سے بھی کم تھی کہ فیثاغورث کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس کی باتین سنین، اور فن موسیقی مین کتابین لکھین، اس کے بعد فلسفہ کا شوق پیدا ہوا، تو ارقلیطوس کے شاگردون کی خدمت مین حاضر ہوا، ان لوگون کا ایک خاص فلسفیانہ طریقہ تھا، جو اب بالکل مٹ گیا ہے، افلاطون نے اُن کے فلسفیانہ مسائل سنے تو اوس کو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ رد وقدح سے محفوظ نہین ہے اس لئے اُس نے حقیقی فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنی چاہی، فیثاغورث تو مرچکا تھا، البتہ اس کا جانشین سقراط زندہ

[1] طبقات الاطبار جلد اول ص ۲۳۔

تھا، چنانچہ اس کی خدمت مین حاضر ہوا، اس وقت سقراط ایک جماعت سے خطاب کررہا تھا، چنانچہ افلاطون نے اس کی باتین سنین، تو اُس کے دل مین فیثاغورثی فلسفہ کی تعلیم کا نہایت شوق پیدا ہوا اور شعر وشاعری کا جو دفتر اس کے پاس موجود تھا، اوس کو نذر آتش کردیا، اُس کے بعد پچاس سال تک سقراط کی شاگردی کی، یہان تک کہ امورِ عقلیہ مین فیثاغورث کا، اور سیاسیات مین سقراط کا درجہ حاصل کرلیا،

افلاطون کے زمانہ سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اوس سے پہلے حکمائے یونان فیثاغورث، ثالیس ملطی اور یونان ومصر کے عام صابیون کے فلسفہ طبعیہ کی طرف مائل تھے، لیکن متاخرین حکمائے یونان مثلاً سقراط، افلاطون اور ارسطو فلسفہ مدنیہ کی طرف مائل ہوئے، اور اس کی ابتدا سقراط کے زمانہ سے ہوئی، اور افلاطون کے زمانہ مین وہ درجہ کمال کو پہنچ گئی، چنانچہ ارسطو نے کتاب الحیوان مین لکھا ہے کہ سو سال یعنی سقراط کے زمانہ سے یونانیون نے فلسفہ طبعیہ کو چھوڑ دیا، اور فلسفۂ مدنیہ کی طرف توجہ کی، اور یونانیون کے علوم کا خاتمہ افلاطون پر ہوگیا[1]،

یونان مین فلسفہ کی جو مختلف شاخین قائم ہوئین، وہ خاص خاص مناسبتون سے مختلف نامون سے موسوم ہوئین،

۱- **قورنیہ** :- اس فرقہ کا بانی ارسطیس تھا، جو قورنیا کا رہنے والا تھا، اور اسی شہر کی مناسبت سے اس کا نام قورونیہ پڑگیا،

۲- **رواقیہ** :- اس فرقہ کا بانی کرسفس تھا، جو فلسفہ قدیمہ کی جس کے اصول وقواعد پورے طور پر منضبط نہ ہوسکے تھے تعلیم دیتا تھا، اور چونکہ وہ ایتھنز کے مندر کی چھت کے نیچے بیٹھکر فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا، اس لئے وہ رواقیہ اور اصحاب المظلہ کے نام سے مشہور ہوا،

[1] اخبار الحکما ص ۲۰، ۲۱۔

۳- **کلابیہ:** یہ حکماے قدیم کا وہ فرقہ تھا جس کے فلسفہ کے اصول و قواعد بھی مستحکم نہ ہوسکے، یہ فرقہ رسمی اور اصطلاحی اصول اخلاق کا مخالف تھا، مثلاً علانیہ سب کے سامنے عورتون سے اختلاط کرتا تھا، اوس کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس قسم کے افعال مطلقاً ناجائز ہین، تو اُن کو کسی جگہ اور کسی صورت مین بھی جائز نہین ہونا چاہیے اور اگر ایک جگہ اور ایک صورت مین جائز اور دوسری جگہ دوسری صورت مین ناجائز ہین، تو یہ ایک رسمی اور اصطلاحی اصول ہے جس کی پابندی ضروری نہین، اُن کی اسی اخلاقی حالت کی بناپر لوگ کہتے تھے کہ اُن کی حالت کتون کے مشابہ ہے، اس لئے وہ کلابیہ کے نام سے مشہور ہوئے، مسلمانون مین گمراہ اور نام نہاد صوفیون کا جو فرقہ ملامتیہ کے نام سے مشہور ہے، وہ اسی فرقہ کے اصول اخلاق کا مقلد ہے،

۴- **مانعہ:** یہ فرقہ اس راے کی مناسبت سے جو وہ فلسفہ کے متعلق رکھتا تھا اس نام سے مشہور ہوا، قفطی نے اس فرقہ کے بانی کا نام بتایا ہے، اور نہ فلسفہ کے متعلق اوس کی کوئی راے نقل کی ہے لیکن صاعد اندلسی نے اس کا نام فورون بتایا ہے، لیکن اس نے بھی فلسفہ کے متعلق اس کی کوئی راے نہین بتائی ہے، لیکن قفطی نے دوسرے موقع پر اوس کے حالات مین لکھا ہے کہ وہ قدیم فلسفہ یعنی فیثاغورث، ثالیس ملطی، اور یونانی، اور مصری صابیون کے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا، اور ارسطو سے سو سال بیشتر یونان مین اس فلسفہ کا عام رواج تھا، لیکن اس فلسفہ کی بنیاد مستحکم نہ ہوسکی لیکن فلسفہ کے متعلق اس موقع پر بھی اوس کی کوئی راے ظاہر نہین کی ہے، لیکن علامہ شبلی مرحوم نے اپنے مضمون تراجم مین لکھا ہے، کہ چونکہ وہ لوگون کو تعلیم سے روکتا تھا، اس لئے اس نام سے مشہور ہوا، لیکن قفطی اور صاعد اندلسی نے اس فرقہ کا کوئی نام نہین بتایا ہے،

۵- **لذتیہ:** اس فرقہ کا بانی اپیکورس ہے، اور چونکہ اس کے نزدیک فلسفہ کی تعلیم کا مقصد صرف وہ لذت ہے جو اس کے علم کے بعد حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کو اصحاب اللذۃ کہتے ہین،

۶- **فیثاغورثیہ:** اس فرقہ کا بانی فیثاغورث ہے، اور اسی کے نام کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے،

۷- **مشائیہ:** اس فرقہ کے بانی افلاطون اور ارسطو ہین، مشی کے معنی عربی زبان مین چلنے اور ٹہلنے کے ہین، اور چونکہ افلاطون اور ارسطو ٹہل ٹہل کر فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس لقب سے موسوم ہوئے، ان فرقون کے نام گنا کر اسی اخیر فرقہ کے بانیون یعنی افلاطون اور ارسطو کے متعلق قفطی لکھا ہے:-

وھما رکنا الفلسفۃ وعمودھا، — یعنی یہی دونون فلسفی فلسفہ کے ستون ہین،

اور ان ہی دونون ستونون پر مسلمانون کے فلسفہ کی بنیاد قائم ہے، باقی

اسلام اور ہندو مذہب کی بعض مشترک تعلیمات

از

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

"تناسخ اور اس کے ذریعہ نجات کے عقیدے کی تعلیم آپ نے (یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے) نہین دی، بہشت و دوزخ وغیرہ باتین عیسائیون اور یہودیون کے مذہب جیسے رہنے دین"

(ابھینو مڈل اتہاس ص ۸۸)

یہ ہے وہ علم جو اس وقت تک ملک کے آزاد ہونے کے بعد بھی ہمارے بچون کو سکھایا جا رہا ہے، مذکورہ بالا کتاب (ابھینو مڈل اتہاس) بہار کے اسکولون کے نصاب مین شریک ہے، مصنف کا نام بھولا داس بی اے، ال ال بی ممبر بہار ریسرچ سوسائٹی ہے، کتاب ابھینو گرنتھا گار کی شائع کی ہوئی ہے،

جو فقرے اس کتاب کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہین، ان کو پڑھکر پہونچنے والے یقیناً ان ہی نتیجون تک پہنچ سکتے ہین، کہ

۱- مسلمانون کی آمد سے پہلے ہندوستان مین جو لوگ آباد تھے، اور ویدک دھرم کے قائل تھے، ان کے اس دھرم مین صرف تناسخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے، اور بہشت و دوزخ وغیرہ عقائد سے اس دھرم کو کوئی تعلق نہین ہے،

۲- عیسائیون اور یہودیون کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نیکی اور بدی کے نتیجے ان کے سامنے بہشت و دوزخ کی شکل مین سامنے آئین گے،

دوسری بات یعنی عیسائیون اور یہودیون کے ذہن مین مرنے کے بعد بہشت و دوزخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے، اور اسلام مین بھی یہی مانا جاتا ہے، کیا یہی واقعہ ہے؟ یہودیون کا حال تو یہ ہے کہ ان کے دین کی بنیادی کتاب تورات، مرنے کے بعد جی اٹھنے کے عقیدہ سے خاموش ہے، نیکی اور بدی کے صلہ مین فلسطین کی سرزمین کا وعدہ اس کتاب مین پایا جاتا ہے جس مین بار بار دہرایا گیا ہے کہ اسی ارض موعود مین شہد اور دودھ کی نہرین بہتی ہین، خدا کے حکمون کو مانو گے، تو اس سرزمین پر تمہارا قبضہ قائم رہے گا، باقی عیسائی مذہب سو اس مین مرنے کے بعد کی زندگی کا ذکر ضرور کیا گیا ہے لیکن عیسائیون کا عقیدہ ہے کہ نیک آدمی مرنے کے بعد فرشتہ بن جاتا ہے، اور بدکار شیطان اور بھوت بن جاتے ہین، یہی وجہ ہے جو قرآن کی حیثیت پر عیسائی اس لئے چین بہ جبین ہوئے ہین کہ فرشتہ کی زندگی کو جنات و انہار وحور و قصور سے کیا تعلق،

باقی پہلی بات یعنی ہندوستان کے باشندے اسلام کے پیش کئے ہوئے عقیدے جنت و دوزخ سے قطعاً ناآشنا اور ناواقف تھے، ان کے دین مین نجات کا ذریعہ صرف تناسخ کو مانا جاتا تھا، یہ اور اس کے سوا بھی اسلامی تعلیمات کے دوسرے اجزا کے متعلق دیکھئے، کہ ویدک دھرم کی تصریحات اس باب مین کیا ہین،

افسوس ہوتا ہے کہ اسلام اور ہندوؤن کے ویدک دھرم کا مقابلہ صحیح علمی روشنی مین نہین کیا گیا، ایک ہندو ودوان (عالم) کے تاثرات تو آپ دیکھ چکے، خود مسلمانون کا بھی حال اس معاملہ مین یہ ہے کہ براہ راست ہندوؤن کی کتابون کے پڑھنے کا موقع جن لوگون کا نہین ملا ہے، سنی سنائی باتون کو واقعات قرار دے کر اس قسم کی چیزین ان کی کتابون مین بھی درج ہو گئی ہین، اور تو اور محمد بن عبدالکریم شہرستانی جنھون نے مذاہب و ادیان ہی پر اپنی مشہور کتاب ملل و نحل لکھی ہے، اس مین بعض مسلمانون کے اس خیال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ برہمن کا لفظ برہما نامی جس شخص کی طرف منسوب ہے، یہ دراصل حضرت ابراہیم کے نام کا ایک ہندی تلفظ ہے اس پر تنقید کرتے ہوئے شہرستانی نے لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے جو اس لئے کہ برہمنون

کا طبقہ جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے، وہ تو

المخصوصون بنفی النبوات اصلاً و راساً (ملل ص ۲۵) نبوات کے سلسلہ کا سرے سے منکر ہے،

خدا ہی جانتا ہے کہ شہرستانی نے "براہمہ" یعنی برہمن "ہندوستان کے کن لوگوں کو سمجھ لیا، اور اُن کی طرف یہ عجیب و غریب عقیدہ منسوب کر دیا، کہ وہ نبوات و رسالات ہی کے سلسلہ کے سرے سے منکر تھے، حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ برہمنوں کے دین کی بنیادی کتاب وید کے متعلق عام عقیدہ اس کتاب کے ماننے والوں کا یہی ہے کہ خالق کائنات کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، دور کیوں جائیے مہابھارت جو عام طور پر ہر ہندو کے گھر میں اب بھی پڑھی جاتی ہے، اسی میں بہ کثرت اس قسم کی باتیں آپ کو مل سکتی ہیں، مثلاً:۔

"پرمیشر (خدا) کی سانس سے وید (پیدا) ہوئے"

(ادیوگ پرب ادھیائے ۱۱)

یا اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ یہ ہیں کہ

"تپشری (عبادت گذار) لوگ بیذبچن (وید کے الفاظ) کو بھگوان کا واک (کلام) جان کر اس پر ڈرہ بدھی (استقامت اختیار کرتے) رہے ہیں"

(شانتی پرب حصہ سوم ۹، ادھیائے)

بہرحال وید کا برہما کے منہ سے نکلنا، ہندوؤں کے سناتن دھرم کا عام عقیدہ ہے اور خواہ شہرستانی کو اس کا علم نہ ہو لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے سربرآوردہ علماء اور صوفیہ بھی اپنی کتابوں میں اس قسم کی باتیں لکھتے رہے ہیں، حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فقرہ مقامات مظہری میں پایا جاتا ہے کہ خالق کائنات نے اپنے رحم و فضل سے

"کتابے مسمی بہ بید کہ چہار دفتر دارد و مشتمل بر احکام نہی و امر و اخبار ماضی و مستقبل است

بہ توسط ملکے برہما نام کہ آلہ جارحہ ایجاد عالم ست فرستاد" (ص ۱۹۰)

مرزا صاحب نے برہما کو بجائے ابراہیم علیہ السلام کے "ملک" یعنی فرشتہ قرار دیا ہے، لیکن بہرحال اس کی تصریح فرمائی ہے کہ وید خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، یہی ہندوؤں کا عقیدہ ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ناواقفیت کی وجہ سے شہرستانی نے ہندوؤں کو سرے سے نبوات و رسالات کا منکر ہی ٹھہرا دیا، اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام اور ویدک دھرم کے تعلیمات میں کیا تعلق ہے؟ سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ پر نہ ہندوؤں میں صحیح طور پر کام کرنے والوں نے اب تک کوئی قابل ذکر کام کیا ہے، اور جیسا کہ چاہئے مسلمانوں میں بھی اس مسئلہ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ قرار واقعی طور پر مستحق ہے، بطور ابتدائی اور تمہیدی بحثوں کے ایک مختصر سا مقالہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، غرض یہ ہے کہ کام کی راہ ممکن ہے ان لوگوں کے سامنے آجائے، جو ہندو مذہب کے مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں،

افسوس یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم مذاہب و ادیان کے وثائق اور یادداشتوں کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے نہیں کیا گیا ہے اور نہ ان ہی کتابوں میں نہیں جن کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا عام رواج اس ملک میں باقی نہیں رہا ہے، اور اسی وجہ سے ان کے مطالب اور معانی کی صحیح یافت دشوار ہو گئی ہے[1] بلکہ مہابھارت جیسی عام کتاب جس کا اب بھی تقریباً ویدک دھرم کے ماننے والوں کے گھر گھر میں پاٹ ہوتا ہے، اور ہر کہہ و مہہ چھوٹے بڑے کی رسائی خود اس کتاب تک اور اُس کے مضامین تک آسان ہے، اسی میں ایسی حیرت انگیز چیزیں مل جاتی ہیں کہ آدمی مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ دیا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ اب بھی ہندوستان کے باشندوں کے اگلے بزرگوں کی کتابوں میں موجود

---

[1] میرا اشارہ وید اور اپنشد وغیرہ ہندوستان کے قدیم دینی سرمایوں کی طرف ہے، وید کے متعلق پنڈت سندلال جی نے اپنی کتاب "قرآن اور گیتا" میں جو حال میں شائع ہوئی ہے لکھا ہے کہ وید کی زبان اتنی پرانی ہو چکی ہے، کہ صحیح مطلب کا سمجھنا از حد دشوار ہے

ہے، قرآنی تعلیمات کا بنیادی مسئلہ، اور جوہری روح جیسا کہ سب جانتے ہین، توحید ہے، یعنی بجائے مخلوقات کے عالم کے پیدا کرنے والے خالق تعالیٰ جل مجدہٗ ہی کی عبادت پر اصرار یہی قرآن کا محوری پیغام ہے، اسی محور پر اس کے سارے مطالبات گردش کرتے ہین، لیکن یہ تو قرآن مین ہے، اب مہابھارت کے بن پرب کا ۱۴۹ وان ادھیائے کا ترجمہ پڑھئے، بھیم سین جو مہابھارت کی جنگ کے گویا رستم تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے، کہ ایک دفعہ ہنومان جی نے بھیم سین کو اپنے درشن دیئے تو اس وقت قدیم ہند کے سناتن دھرم کی خصوصیت کو بتاتے ہوئے ہنومان جی نے جیسا کہ اسی کتاب مین ہے یہ کہا کہ

"کرت جگ جس کو ست جگ کہتے ہین، اس مین سناتن دھرم جاری تھا"

سناتن دھرم جب اس ملک مین جاری تھا، تو اُس کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت ہنومان جی کے بیان کے مطابق کیا تھی، سنئے ہنومان جی کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا ہے کہ

"اس جگ مین دھرم کا ناش نہین ہوتا تھا، دیوتا دانو، گندھرب، کھتر، جکش، نش[1] ایک پرشوتم بھگوان کی پوجا کرتے تھے"

(بن پرب ۱۴۹ ادھیائے)

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ اس ملک کے آباد کارون کے آبار اولین (اگلے آبا، اجداد) کے دین کا جوہری عنصر توحید ہی تھا، اور خالق عالم جل مجدہٗ ہی کی ذات پاک اس ملک کا واحد معبود ہنومان جی کے زمانہ مین تھی، یہ وہ زمانہ تھا، جب ملک پر رام چندر جی حکومت کرتے تھے، لیکن یہ سلسلہ کب تک جاری رہا؟ بھیشم پتامہ جن کا ذکر علم وعرفان، حسن و کردار وعمل کے مثالی وجود کی حیثیت سے اس رزمیہ داستان مہابھارت مین کیا گیا ہے، جب زخمی ہو کر یہی بھیشم پتامہ تیرون کے سیج پر لٹا دیئے گئے تھے، اور اُن کی مزاج پرسی کے لئے آخر مین خود شری کرشن جی بھی اُن کے بالین پر

---

[1] ملائکہ جن ارواح طیبہ، و خبیثہ کے متعلق ہندو ادبیات مین یہی الفاظ مستعمل ہین، جکش و نش الجن والانس کے ہم معنی الفاظ ہین ۱۲۰

پہونچے، تو لکھا ہے کہ

"بھیشم جی کو انن بھگت جان کر ترلوکی درشن"

سے سری کرشن جی نے سرفراز کیا، یعنی تینون عالم (لوک) کا مشاہدہ ان کو کرا دیا، مذکورۂ بالا فقرے مین انن بھگت" کا جو لفظ ہے، اس کا مطلب اسی کتاب مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"جو کیون (صرف) نارائن (خالق عالم) کی اوسپانا (عبادت) کرتا ہو"

(مہابھارت شانتی پرب ۴۳، ادھیائے)

جس سے معلوم ہوا کہ مہابھارت کی جنگ اس ملک مین جب لڑی گئی تھی اس وقت تک دینی زندگی کی روح یہی "انن بھگت" ہونا سمجھی جاتی تھی، اور یہ تو خیر پھر بھی ایک اجمالی بات ہوئی، مہابھارت کی جنگ مین فاتح اعظم ہونے کی حیثیت، راجہ جدھشٹر کو حاصل ہوئی تھی، ان ہی کو ان الفاظ کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے یعنی:-

"ہے مہا بھاگ (بڑے خوش قسمت) راجہ جدھشٹر"

منجملہ اور باتون کے یہ اپدیش بھی ان کو دیا گیا تھا، جس مین خالق عالم کو ان الفاظ مین روشناس کراتے ہوئے کہ

"وہی نارائن سرشٹی (عالم) کو اتپن (پیدا) کرتا ہے، اور پھر اپنے مین لے کر لیتا ہے، (یعنی ہر چیز اسی کی طرف واپس ہو جاتی ہے، انا لله وانا الیه راجعون) وہی سب دیوتاؤن، رشیون دانوون، گندھربون، نشون، کا پالن پوشن کرنے والا ہے"

آخر مین راجہ جدھشٹر کو حکم دیا گیا تھا کہ

"اسی نرگن دیوتا کا پوجن کرو"

گویا:-

ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ — یہی اللہ ہے تمہارا پروردگار، پس اسی

فاعبدہ ، کو پوجتے رہنا ،

کی قرآنی آیت کا جو حاصل ہے ، اسی کی تعلیم راجہ جدھشٹر کو دی گئی تھی ، اور مہابھارت کا یہ نرگن دیوتا جس کی پوجا کا مطالبہ راجہ جدھشٹر سے کیا گیا ہے جانتے ہین ، ہندوستان کے آباد کارون کے آباؤ اجداد کی معرفت اس کے متعلق کن گہرائیون تک پہنچ چکی تھی ،

اسی کتاب کا وہ حصہ جسے "ادیوگ" کہتے ہین ، اس کے گیارہوین ادھیائے ہین ، ایک رشی جن کا نام سجات جی بتایا گیا ہے ، ان ہی کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا ہو کہ

"سجات جی بولے کہ برہم کا روپ کیا برنن (بیان) کرون نہ پرتھی (زمین) مین ویسا ہے ، نہ آکاش (آسمان) مین نہ اس کا کوئی جسم ہے ، نہ وہ سمندر مین ہے ، نہ ستارون مین نہ بجلی مین نہ بادل مین ، نہ چندرمان آدمنڈرون مین دکھائی دیتا ہے ، نہ سورج مین نہ اور کسی مین ، کنتو اس کا روپ ، اپار نیہ ہو"

اپارنیہ کا ترجمہ مترجم صاحب[1] نے "بے مثل و بے حد" کیا ہے ، نیز اسی ادیوگ کے بارہوین ادھیائے مین صراحتہً ان الفاظ کو ہم پاتے ہین ،

"اس برہم کی صورت کسی نظیر اور مثال سے نہین بتائی جا سکتی ، اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے"

الغرض لیس کمثلہ شیئ کے تعبیری لباس مین قرآن نے معرفت کی جس تنزیہی شان کو

---

[1] مترجم صاحب سے میری مراد منشی شری رام صاحب ، نفرد لوی ہین ، جنھون نے چار ضخیم جلدون مین کافی تحقیق و تدقیق کے ساتھ مہابھارت کا اردو مین کامیاب ترجمہ کیا ہے ، مطبع نولکشور مین متعدد بار یہ ترجمہ چھپا ہے ، میرے پیش نظر ۱۹۱۴ء کا مطبوعہ نسخہ ہے ، سارے حوالے مہابھارت کے اسی ترجمہ سے ماخوذ ہین ،

ادا کیا ہے ، کیا مہابھارت کے اس فقرے مین اس کے سوا اور بھی کچھ ہے

میرے سامنے اس وقت تفصیل نہین ہی ، صرف چند سرسری مثالون کو پیش کر رہا ہون ، ورنہ اس قوم کی باتین مثلاً :-

"جس کے اوپر نارائن کرپا (مہربانی) کرین ، اس کا کوئی بگاڑ نہین سکتا ، اور جس پر پرمیشر کوپ کرین ، اس کو کوئی بچا نہین سکتا ، (سبھا پرب ادھیار ۱۴)

مَا یفتح اللہ للناس من رحمۃ — اللہ آدمی کے لیے جس رحمت کو

فلا ممسک لھا وما یمسک — کھولے ، اسے کوئی روک نہیں سکتا

فلا مرسل لہ من بعدہ ، — اور جسے روک دے ، اسے کوئی کھول

(صافات) — نہین سکتا ،

اور اسی مضمون کی بے شمار آیتون کے مفہوم ہی کے اعادہ کی شکل ہے ، آپ بکثرت اسی مہابھارت مین پا سکتے ہین ، اور قدم قدم پر اسی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے باشندون کی اگلی نسلون کو جو کچھ دیا گیا تھا ، جیسے دوسرون تک اُن کے آبائی سرمایے کو قرآن نے واپس کیا ، اسی طرح اس ملک کے صحیح موروثی دین کو اُن کے وارثون تک وہ پہنچانا چاہتا ہے ، لوگون کو معلوم نہین ہے اور نہ توحید ہی نہین ، مذہب کی عملی زندگی ، پُن داثم یعنی پاپ پن یا نیکی ، اور بدی کے قانون کی تابع ہے ، اس عام اسلامی نظریہ اور جو کچھ اس کے تفصیلات ہین ، ایک ایک جز اس کا بھی آپ کو مہابھارت ہی مین مل سکتا ہے ، اسی قانون کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ مین کیا گیا ہے ، یعنی

"پاپ پن ، دونون پھل ، واںک (نتیجہ خیز بارآور) ہین ، ایک سے سرگ (الجنت) اور دوسرے سے نرک (النار) ملتا ہے (ادیوگ ادھیائے ۱۱)

اور یہ کہ "آدمی تپ اس لوک (دار دنیا) مین کرتا ہے ، اور پھل اس کا دوسرے لوک (عالم آخرۃ)

مین پاتا ہے۔"

نیز:-

پن سے پاپ کا ناش ہوتا ہے۔"

اسی کے ساتھ یہ بھی کہ

"جو کوئی منش (آدمی) پاپ کرم (گناہ کا کام) کرکے پشچاتاپ کرتا ہے (یعنی پچھتاتا اور نادم ہوتا ہے) وہ پچھلے کئے ہوئے پاپ سے چھوٹ جاتا ہے، اور جو یہ کہتا ہے کہ پھر ایسا پاپ کرم نہین کرون گا، وہ اس کئے ہوئے پاپ کا پھل نہین پاتا ہے"

(بن پرب ادھیائے ۹)

"بردائم" یا نیکی اور بدی کے ان ہی کلیات پر تصدیق کی مہر ثبت کرکے موجودہ زندگی کے انجام کو قرآن نے جب بے نقاب کیا ہے، تو پھر میں یہ کیسے مان لون کہ ہمارے وطن کے باشندون کی طرف بھی اُس کے خطاب کا رُخ نہ تھا جن کی کتابون مین نیکی اور بدی کے قانون کے ان تمام پہلوؤن کو ہم پاتے ہین، جن کا ذکر قرآن مین کیا گیا ہے، آخر آپ ہی بتایئے قرآنی آیات مثلاً

لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت — یعنی ہر شخص کو اپنے بھلے کامون کا نفع بھی ملتا ہے، اور برے کا وبال بھی اسی پر عائد ہوتا ہے،

(البقرہ)

یا:-

انّ الحسنات یذہبن السیئات — بھلائیان (پن) (برائیان) (پاپ) کو زائل کردیتی ہین،

اور یہ کہ:-

وَالّذین اذا فعلوا فاحشۃ اَوْ ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم وَ لَمْ یصرّوا علیٰ ما فعلوا وہم یعلمون اولٰئک جزاءہم مغفرۃ من ربہم

جن لوگون نے بے حیائی کا کام کیا، یا اپنے اوپر ظلم توڑا، یاد آیا ان کو اللہ پھر معافی چاہی اپنے گناہون کی، اور جو کچھ کرگذرے، اس پر اصرار نہ کیا، بحالیکہ وہ جان رہے ہین ان کا صلہ ہے اپنے مالک کی طرف سے آمرزش،

(آل عمران)

میری تو سمجھ مین نہین آتا کہ غیر مروج غیر متداول کتابون ہی مین نہین، بلکہ اسی مہابھارت مین جب یہ موجود ہے کہ نیکی آدمی اس لوک (دنیا) مین کرتا ہے، اور پھل اس کا دوسرے لوک (عالم آخرت) مین پاتا ہے اور اس کے بعد سرگ، نرگ کا ذکر کرکے بار بار ہر تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس قسم کی باتین ملتی ہین، مثلاً سرگ (الجنۃ) کا تذکرہ کرتے ہوئے

"سرگ اس لوگ (عالم) ہے جہان سب پدارتھ (سازوسامان) موجود ہین، وہان رہنے والون کو بھوک پیاس سردی گرمی کچھ نہین لگتی،"

بہشتی نعمتون کی ایک طویل فہرست جس مین ملبوسات، مطعومات، مشمومات، مسموعات، ملموسات،[1] الغرض سارے حسی لذائذ کی تفصیل کے بعد آخر مین ہے

"اس دیہ (جسم) سے جو دب دیہہ (نورانی جسم) کہلاتی ہے، جس مین نہ بڑھاپا ہے، نہ جوانی ہے، ہمیشہ ایک جتین روپ رہتی ہے، سرگ باس ملتا ہے، وہان سوائے سرکھ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہر ہر انسانی حاسہ کے ساتھ جن جن لذتون کا تعلق ہے، سب ہی کا ذکر ویدک دھرم کے سرگ مین کیا گیا ہے، حتی کہ اپسراؤن (حورون) کے ساتھ بھوگ بلاس کے پراپت ہونے یعنی حاصل ہونیکا ذکر بکثرت اس کتاب مین ملتا ہے۔

(سرود) کے شوک پیڑا (دکھ کی تکلیف) نہین ہے"۔ (بن پرب ادھیاے ۱۱)

اور اسی کے مقابلہ مین نرک کے متعلق

گھور نرک جہان اندھیرا ہے، اچھس (یا ملائکہ غلاظ شداد) پیڑا (تکلیف) دیتے ہین،

(بن پرب)

شاید ہی کوئی حصہ مہابھارت کا ہوگا، جو انسانیت کے اس آخری انجام یعنی الجنۃ والنار کے ذکر سے خالی ہو، پھر کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ تھوڑ یا موجودہ یہودیت جس کی آسمانی کتاب کو جنت اور دوزخ ہی نہین، بلکہ اس لوک اور عالم کے بعد دوسرے لوک یا عالم کی زندگی کے ذکر سے ہم قطعی طور پر خاموش پاتے ہین، اس دین کو تو محض یورپ والون کی اس قسم کی مصنوعی تقسیمون یعنی سامی و آریائی، و تورانی وغیرہ حصون مین مذہبی قومون کو بانٹ بانٹ کر یہ فیصلہ جو کر دیا گیا ہے کہ اسلام اور یہودیت و نصرانیت تو دین کی سامی قسم مین شریک ہین، اور ہندوستان وغیرہ مین جو دین اور دھرم پھیلا ہوا تھا، وہ دین کی آریائی شکل ہے، حالانکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کے متعلق چاہے کہنے والے کچھ ہی کہین، لیکن اسلامی دین جسے قرآن نے اس دعوی کے ساتھ پیش کیا ہے، کہ اصولاً دین کی یہ کوئی نئی شکل و صورت نہین ہے، بلکہ ساری انسانی نسلون کا جو حقیقی موروثی، اور آبائی دین، اور دھرم تھا، اسی کو ہر قسم کی خارجی آمیزشون سے صاف و پاک کرکے قومون کے حوالہ کر دینا یہی اس کا واحد نصب العین ہے، مرحوم ڈاکٹر اقبال کے الفاظ مین

از قبائے لالہ ہائے این چمن
پاک شست آلودگیہائے کہن

قرآن کے پیش کرنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت جب یہی ہو تو ایسی صورت مین کوئی وجہ نہین ہوسکتی کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک کے باشندون کو قرآنی دائرے کے مذکورۂ بالا

احاطہ سے خواہ مخواہ باہر سمجھا جائے، بلکہ تحقیق و تلاش سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی کا آبائی، اور موروثی دھرم قرآن کے پیش کئے ہوئے دین سے جتنا زیادہ قریب اور نزدیک ہے، شاید یہ نزدیکی ان دینون اور مذہبون کی موجودہ شکلون کو بھی بہ مشکل میسر آسکتی ہو جن کو یورپ والون کی مذکورۂ بالا فرضی تقسیم کے رو سے سامی ادیان کی فہرست مین ہم شریک پاتے ہین، حالانکہ محض چند سرسری باتین، اور وہ بھی صرف ایک کتاب مہابھارت کے مختلف مقامات سے اخذ کرکے آپ کے سامنے پیش کی گئی ہین لیکن قرآن کے پڑھنے والون سے مین حق کی گواہی کی درخواست دیتا ہون، توحید فی الخلق توحید فی العبادۃ، توحید فی الافعال یا قانون بردائم "(نیکی و بدی) اس قانون کے نتائج الجنۃ والنار توبہ و استغفار،

الغرض ان سارے اصولی حقائق جن پر قرآنی تعلیم کی بنیاد قائم ہے، کیا وہی ساری باتین مہابھارت مین بھی نہین مل رہی ہین؟ سچ تو یہ ہے کہ بعض بعض فقرے مہابھارت کے مذکورۂ بالا حوالون مین ایسے بھی ہین کہ قرآن کی عربی عبارت کے سامنے بطور ترجمہ کے ہم اُن کو بآسانی درج کرسکتے ہین،

اور یہ قصہ صرف مبدء و معاد نیکی و بدی ہی کے تفصیلات تک محدود نہین ہے، بلکہ اخلاقی فضائل ورذائل کی جو فہرست اسلام مین پائی جاتی ہے، بجنسہٖ یہی فہرست ویدک دھرم کی بھی ہے، بلکہ ایسی چیزین جو عموماً اسلام کے ساتھ مختص سمجھی جاتی ہین، مثلاً جوا شراب خوری اُن کی حرمت کا بھی بار بار ذکر اس کتاب مین کیا گیا ہے، قمار (جوا) کی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ مہابھارت کا موضوع ہی ایک حیثیت سے اگر سمجھا جائے تو قمار یعنی جوئے ہی کے نتائج اور انجام کو بیان کرنا ہے، یہی بتایا گیا ہے کہ یہ ساری خونریزیان جو مہابھارت کی جنگ مین ہوئین اور جیسا کہ اسی کتاب مین دعویٰ کیا گیا ہے کہ کروڑہا کروڑ[1] انسان جو اس جنگ مین مارے گئے، سب کا خون پانڈو اور کورو خاندان کے

[1] استری پرب دسوان ادھیا مین جدھشٹر کی زبانی مقتولون کی تعداد ایک ارب چھیاسٹھ کروڑ بیس ہزار بتائی گئی ہے؛

کے شاہزادون کے جذبۂ قماربازی کے سر عائد ہوتا ہے، گویا جوابازی کے نتیجے کو دکھلانے کے لئے کہا جا سکتا ہو کہ یہ کتاب مرتب کی گئی، مگر حیرت ہوتی ہے کہ بہت سی باتین جو ہندوستان مین عموماً مروّج ہین، بلکہ عام طور پر دین اور دھرم کے نام لینے والے جن اعمال کو اپنی خصوصیت قرار دیئے ہوئے ہین، اُن کے متعلق بھی اسی مہابھارت مین وہی نقطۂ نظر اختیار کیا گیا ہے، جو اسلام کا ہے، مثلاً اُدیوگ کے دسوین ادھیائے مین بدرجی کا ایک طویل اپدیش کو نقل کرتے ہوئے ان فقرون کو بھی ان ہی کی طرف ہم منسوب پاتے ہین کہ

"تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر کٹھور بچن کا زخم کبھی نہین بھرتا، جب تک انسان کی نیک نامی دنیا مین رہتی ہے، تب تک وہ زندہ سمجھا جاتا ہو، قسم کھانے والے کی بات کا اعتبار نہین رہتا"

اور اسی سلسلہ مین یہ بھی ہو کہ

"نشاہدریک یعنی ہاتھ کا ریکھا دیکھنے والا، شگون بتانے والا جوتشی"

ان سب کو

"بے شرم بھڑوا، گربھ گرانے والا، اپنی استری (عورت) کا خرچی کھانے والا، برہمن ہوکر شراب پینے والا"

کی فہرست مین شریک کیا گیا ہے، حالانکہ آج ہاتھ کا ریکھا دیکھنے والے اور شگون بتانے کا پیشہ کرنے والے ہی اس ملک مین دین کے پیشوا سمجھے جاتے ہین، یہی نہین عام طور پر سمجھا جاتا ہو کہ بھکشا لینا، اور بھیک مانگنا بھی برہمن کا مذہبی فریضہ ہے، لیکن اسی مہابھارت مین ہم بھکاری اور گداگر برہمن کے متعلق یہ الفاظ پاتے ہین:-

"جو برہمن سوال کرنے والا ہوتا ہے، اُس کی عزت نہین ہوتی، مان اس کا دُور ہوجاتا ہے سوال کرنے والے برہمن کا خوف چور کا سا ہوتا ہے"

اور آخر مین ہے :-

"بھیک مانگنے والا امرتا ہے وان کرنا کبھی نہین مرتا" (انوساسن پرب چودھوان ادھیائے)

اسی طرح آج "بیاج" یعنی ربا یا سود خواری اس ملک مین جس قوم کا خصوصی پیشہ سمجھا جاتا ہو اسی کی دینی کتاب مین ہم یہ بھی پاتے ہین کہ

"بیاج (سود) کھانے والا کاان (کھانا) بشٹا (گوہ) سمان (مانند) کہا ہے"

(شانتی پرب ۱۲- ادھیائے)

میرے سامنے اس وقت تفصیل نہین ہے، انشاء اللہ کسی مستقل مقالہ مین اپنے معلومات کو جمع کر کے پیش کرون گا، سردست صرف سرسری باتون کا ذکر کر رہا ہون،

خیال تو کیجئے، پانی سے تطہیر یا پاکی تو خیر عام بات ہی لیکن ہماری فقہ کا ایک جزئیہ ہے، کہ آفتاب سے بھی چیزین پاک ہوتی ہین، ٹھیک اسی جزئیہ کو ان الفاظ مین آپ مہابھارت مین بھی پا دین گے،

"سورج کی کرن سے سب بستو (چیزین) پوتر (پاک) ہوئی ہین"

(ادی پرب ۴ ادھیائے)

حد یہ ہو کہ غسل کے ساتھ قریب قریب وضو کے مسئلہ کو بھی آپ چاہین تو پا سکتے ہین، عبادت کرنے

---

(۱) اسی ادھیائے مین ایک فقرہ جس مین اچھے برہمن کی خصوصیتون کو بتاتے ہوئے ایک خاص علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جو برہمن

"ڈاڑھی مونچھ رکھنے والے ہین اُن کو نیوتہ دے کر اچھے پدارتھ بھوجن کراؤ" (انوساسن پرب ۹ ادھیائے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مونچھ ڈاڑھی ہمارے وطن مین پرہیزگار انسانون کی علامت ہمیشہ مانی جاتی تھی ۱۲،

سے پہلے کیا کرنا چاہئے اسی کا جواب دیتے ہوئے حکم دیا گیا ہے،

"ممکن ہو تو اشنان (غسل) کرے نہین تو ہاتھ پاؤن دھو کر آچمن (کلی) کر کے شدھ (پاک)

آسن (جگہ) بیٹھ کر نارائن (خالق عالم) کا سمرن (ذکر) دھیان جپ وغیرہ کرے"،

(شانتی پرب ۱۴ ادھیاے)

اسی طرح صدقہ خیرات تو خیر مذاہب و ادیان کی عام بات ہے، لیکن مہا بھارت مین اطلاع

دی گئی ہے کہ سب سے پہلے منوجی نامی راجہ کو راج ملا، اور اُن سے پرجا نے وعدہ کیا، کہ آپ

"ہمارا پالن کرین، ہم پشوؤن کا، اور سونے کا پچاسوان بھاگ (حصہ) اور اناج کا دسوان

(حصہ) خزانہ کی ترقی کے لئے ..... تمھارے خزانے مین داخل کرین گے"،

(شانتی پرب ۶۷-۱ ادھیاے)

زکوٰۃ کے قانون کی تشکیل کرتے ہوئے پشوؤن (السوائم یعنی بھیڑ بکری گاے اونٹ وغیرہ)

اور زر و نقرہ سے اسلام نے جس قدر زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے، اور عُشر یعنی دسوان حصہ زمین سے

پیدا ہونے والے اناج کا صدقہ جو طلب کیا گیا ہے، اس کو اپنے سامنے رکھیے، اور مہا بھارت کی مذکورہ

اطلاع کو پیش نظر رکھئے اور غور کیجئے اُن قرآنی آیات پر جن مین فرمایا گیا ہے کہ تمھارے اگلے باپ دادون

کے پاس جو کچھ آیا تھا، کیا اس کے سوا قرآن تمھین کچھ اور دے رہا ہے، یا ارشاد ہوا ہے،

لیھدیکم سنن الذین من	تاکہ جو تم سے پہلے گذرے ہین، اُن کے طور
قبلکم،	اور طریقون کی طرف تمھاری راہ نمائی
(النساء)	کی جائے،

قرآن کے ان دعوون کی تصدیق کے لئے مین نہین سمجھتا کہ اور کیا چاہا جاتا ہے، ذرا ملاحظہ کیجئے،

جرائم کے سلسلہ مین چوری کے جرم کی سزا، قرآن مین جیسا کہ مشہور ہی ہے، یہ مقرر کی گئی ہے کہ چور کا ہاتھ

کاٹ دیا جائے، ظاہر ہے کہ اصل مقصود تو چوری کا انسداد ہے، جرم کے انسداد ہی کے لئے یہ سزا مقرر

کی گئی ہے، خود قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اور نوا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا دوسرا نام اسرائیل

تھا، اور اُن ہی کی طرف منسوب ہو کر یہود بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے، ان ہی یعقوب علیہ السلام

کے صاحبزادون کی زبانی قرآن مین چوری کی سزا اُن کے پاس مروج تھی، یہ بتایا گیا ہے کہ چوری کا مال

جس کے پاس نکلے، خود اسی چور پر مال کا مالک قبضہ کرلے، سورۂ یوسف مین یہ مشہور اعتراف حضرت یعقوب

علیہ السلام کے صاحبزادون کا منقول ہے،

قالوا جزائه لمن وجد فی	(یعقوب علیہ السلام کے لڑکون نے) کہا کہ
رحله فهو جزائه کذلك	بدلہ اس کا یہ ہے کہ جس کے سامان مین
نجزی الظٰلمین	چوری کا مال ملے وہی اس کا بدلہ ہے،
	ہم جرم کرنے والون کو یونہی سزا دیتے ہین،

جس سے معلوم ہوا کہ چوری کے انسداد کے لئے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے لئے

قطع ید (ہاتھ کاٹنا) کافی نہ تھا، کٹے ہوئے ہاتھون کے باوجود بے شرمی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ان

کے چور چوری سے باز نہین آتے تھے، اس لئے اس سے زیادہ سخت سزا اُن کے یہان غالباً مروج ہو گئی تھی،

لیکن آیئے اور دیکھئے، ویدک دھرم جسے شمار کرنے والے سامی مذاہب کے مقابلہ مین آریائی دین کی

فہرست مین شمار کرتے ہین، اس مین اسی چوری کے جرم کی سزا کے متعلق جو آگاہی مہا بھارت ہی سے

حاصل ہوئی ہے، اس کا اندازہ آپ کو اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، ایک شخص چوری کے جرم کا مرتکب

ہوتا ہے، اور وقت کے راجہ سودمن کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے، خود چور درخواست

کرتا ہے کہ

"جو ڈنڈ (سزا) چور کو ہوتا ہے وہی ڈنڈ مجھے دو"،

ماجہ نے چوری کی سزا دیتے ہوئے چور کے متعلق

"حکم دیا کہ دونون ہاتھ کاٹ ڈالو" (شانتی پرب ادھیاے)

بتائیے کہ اصولاً و فروعاً کس لحاظ سے ہم یورپ والون کے اس مشاغبہ (پروپاگنڈے) سے متاثر

ہو سکتے ہین کہ ہندوستان کے آریائی دھرم کا قرآن کے سامی دین سے کوئی تعلق نہین ہے، حالانکہ ہم

اجمال اور بہت زیادہ اجمال سے کام لیا ہے لیکن اس وقت تک جن معلومات کو پیش کر چکا ہون ان

وہمی اور فرضی بلکہ درحقیقت خود غرضانہ سیاسی دعوی کی تردید کے لئے کیا وہی کافی نہین ہین؟

سچی بات تو یہ ہے کہ مہا بھارت مین بعض موقعون پر لوگون کے جو مکالے نقل کئے گئے ہین، ان کو

تو آدمی یہ سوچنے لگتا ہے، کہ یہ کتاب کیا اسی زمانہ مین لکھی گئی ہے، جس سے ہم اس وقت گذر رہے ہین

ایک جگہ یدھشٹر فاتح اور بھیشم پتاماکی باہمی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے یدھشٹر کی طرف یہ سوال منسوب کیا

گیا ہے کہ

"جدھشٹر نے پوچھا مہاراج! منش (آدمی) کا شریر (بدن) کو اسی جگہ جلا دیتے ہین

یا پرتھی مین گاڑ دیتے ہین"

(انوساسن پرب ۲۰ - ادھیاے)

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آج تو ہندوستان مین ہندو اپنے مردون کو جلاتے اور مسلمان گاڑتے ہین

لیکن جدھشٹر کے مذکورۂ بالا سوال سے کیا یہ معلوم نہین ہوتا، کہ جلانے کے ساتھ ساتھ تدفین کا عمل بھی

ملک مین مہا بھارت کے زمانہ مین بھی جاری تھا، حالانکہ یہ رسم و رواج کی بات ہے، لیکن اس

سے بھی دیکھئے تو آج جو کچھ یہان دیکھا جا رہا ہے کل بھی یہی دیکھا جا رہا تھا،

اور مین اس سلسلہ مین کہان تک لکھون، حد سے زیادہ اختصار کے ارادے کے باوجود خواہ

بات مین بات یاد آتی چلی گئی، اور مین لکھتا گیا، ورنہ کہنا تو صرف یہ تھا کہ ادیان و مذاہب کو آریائی ا

وغیرہ فرضی خود تراشیدہ تقسیمون کے گورکھ دھندون مین پھنسا کر یورپ والے سیاسی اغراض کی

تکمیل مین جو کام لیتے ہین، چاہئے کہ لوگ اُن کی شاطرانہ طریقۂ عمل سے چوکنا رہین، اور نظر ہمیشہ حقیقت

پر رکھنی چاہئے، حالانکہ بہت کم کہا گیا ہے کہ لیکن بقدر ضرورت اصول و فروع رسم و رواج کے لحاظ سے

جن جن باتون کا ذکر سردست مین نے کیا ہے فیصلہ تک پہنچنے کے لئے انشاء اللہ ان سے بھی کافی

مدد مل سکتی ہے،

مین یہ مانتا ہون کہ جیسے مسلمانون مین مختلف اسباب و مؤثرات کے زیر اثر بعد کو مختلف خیالات

اور نئے نئے دینی نظریات پیدا ہوئے، اسی حادثہ کا شکار ہندوستان کا آبائی اور موروثی دین بھی ہوا ہے

ہندو دھرم کی یہ تاریخ کتابون مین محفوظ بھی ہے، اور اسی کا نتیجہ یہ ضرور ہوا ہے، کہ مختلف زمانہ مین مختلف

عقائد و خیالات کے زیر اثر اس ملک کے باشندے ہوتے رہے ہین، خود اسی کتاب مہابھارت ہی کے

پڑھنے سے ان مختلف نظریات و خیالات کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ مہابھارت ہی کے زمانہ مین معلوم ہوتا

ہے کہ عقائد و خیالات کی گوناگونی، رنگارنگی سے لوگ پریشان تھے شانتی پرب کے ادھیاے ۹

مین گالورشی کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے کہ ناردجی کو خطاب کرکے گالورشی نے کہا

"بہت سے شاسترون کے ہونے سے کلیان (اطمینان) بہت گپت (غائب)

ہو رہا ہے"

گالورشی نے یہ بھی کہا کہ

"ہے ناردجی شاستر ایک ہی ہو تو سنشے (شک و شبہہ) نہین ہو سکتے"

آخر مین بولے

"اسی لئے (یعنی شاسترون کی کثرت کی وجہ سے) مجھے بہت سندیہ (شک و شبہہ)

ہین، آپ ان کو دور کیجئے،

بہرحال مہابھارت ہی کے زمانہ مین جب یہ حال تھا تو اس کے بعد کیون تعجب کیا جائے، اگر آج ویدک دھرم کے ماننے والون مین مذکورۂ بالا بہت سی چیزین نہین پائی جاتین، خصوصاً خالقِ عالم ہی کی عبادت اور اسی کی پوجا موکش (نجات) کا واحد ذریعہ ہے، اس کا یقین اس ملک کی عمومیت مین باقی نہین رہا ہے، حالانکہ اسی شانتی پرب کے ادھیائے (۵۸) مین اتم مارگ "صراطِ مستقیم" "طریقہ وسطیٰ" یا سب بہتر راہ کے متعلق ایک مکالمہ شیوجی اور برہماجی کے درمیان نقل کرتے ہوئے ایک فقرہ برہماجی کی طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے،

"ہے راجن! اسی نارائن پرب برہم کو پوجنا جوگ (واجب) ہے، جو سب کا اپت استھان (مصدر و سرچشمہ) ہے"

آخر مین ہے:-

اسی کے پوجنے سے موکش (نجات) پراپت (میسر) ہوتا ہے،

ویدک دھرم کے قدیم مذہبی وثائق (ویدا یا اپنشد وغیرہ) مین نہین، بلکہ مہابھارت جیسی عام کتاب جو شاید اب بھی ہندو گھرانون مین روزانہ پڑھی جاتی ہے، جب اس مین بھی یہ موجود ہے کہ نجات اور مکتی کا جو طالب ہو اُس کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ خالق عالم ہی کی عبادت کرے، اور اسی کو پوجے اسی سے لو لگائے مگر باوجود اس کے اس عقیدہ کا دباؤ ملک کے عام آبادکارون پر سے کیون اُٹھ گیا، اور یہی نہین بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اسی مہابھارت مین جہان مذکورۂ بالا توحیدی عقائد و خیالات ملتے ہین، وہین اس کا بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ اس عقیدے کی مخالفانہ شہادتون کو بھی ہم اسی کتاب مین پاتے ہین اور بکثرت پاتے ہین

اور ایک یہی کیا دین اور دھرم کی دوسری بنیادی حقیقت، اور جوہری عنصر یعنی "پاپ پن" نیکی اور بدی "بر و اثم" کے نتائج کے سلسلے مین یہ سوال جو پیدا ہوتا ہے کہ سرگ او نرک یا الجنۃ والنار "د

انسانی علم و عمل گیان اور کرم کا آخری انجام ہے، جو قیامِ قیامت اور فیصلہ کے بعد سامنے آئے گا،[51]

لیکن موت کے بعد اور قیامت سے پہلے درمیانی وقفہ مین مرنے والون پر کیا گذرتی ہے، اسلام مین بھی اس سوال کا جواب یہی ملتا ہے کہ کثیف جسم کو چھوڑ دینے کے بعد انسان کی وہی تخلیقی قوت جو رویا اور خواب مین عمل کرتی ہے، اور دیکھنے والے جن حالات مین ہوتے ہین، ان ہی حالات کو خاص خاص شکلون مین خواب کے اندر دیکھتے ہین، نہ کام مین جو مبتلا ہے، خواب مین پاتا ہے کہ پانی مین تیر رہا ہے، صفرا کا غلبہ جن پر ہوتا ہے وہ دیکھتے ہین کہ آگ لگی ہوئی ہے، حالانکہ خواب مین کثیف جسم سے رشتہ منقطع نہین ہوجاتا، لیکن سو جانے کی وجہ سے اس کثیف جسم کے آثار سے گونہ آزادی میسر آتی ہے، پھر موت کے بعد جب خاکی کالبد کا دباؤ بالکلیہ اٹھ جائے گا، تو علمائے اسلام امام غزالی شاہ ولی اللہ وغیرہ محققین کا خیال یہی ہے کہ اخلاق و عادات، جذبات و عواطف اور ان ہی کے مطابق اعمال مرنے والون کے سامنے مختلف صورتون مین آتے ہین، صحیح حدیث مین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی باتین روایت کی گئی ہین کہ اژدہون اور سانپون کو مرنے والے مرنے کے بعد دیکھتے ہین، الغرض سانپ بچھو جوہے، سور وغیرہ وغیرہ جیسے جانورون اور حشرات الارض جیسی چیزون کا ذکر کتابون مین کیا گیا ہے، بلکہ بعض روایتون سے تو معلوم ہوتا ہے کہ میدان قیامت مین آنے والون کو بندرون، سورون کی شکلون مین بھی دیکھا جائے گا،[52]

بہرحال باوجود ان تصریحات کے جیسا کہ گذر بھی چکا کہ

---

[51] قیامتِ کبریٰ کے عقیدے کا ذکر بکثرت ویدک دھرم کی کتابون مین "مہاپرلے" کے نام سے کیا گیا ہے، مہابھارت مین بھی ہے کہ

"مہاپرلے (قیامتِ کبریٰ) مین دیوتا اور سرگ وغیرہ سب ناش ہوجاتے ہین، ایک پرمیشور (خالق عالم)، اجنب (قدوس)، اناشی (لافانی)، باقی رہتا ہے" (بن پرب ۹۴ - ادھیائے)

جو کُلّ مَن عَلَیہا فانٍ ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام قرآنی آیت ہی کا حاصل، در خلاصہ ہے[52] بعض بزرگون

"آدمی تپ اس لوک (عالم) مین کرتا ہے، اور پھل دوسرے لوگ (عالم آخرت) مین پاتا ہے"

(بن پرب ادھیاے ۹)

بکثرت مہابھارت مین اس مضمون کو دہرایا گیا ہے، استری پرب کے تیسرے ادھیا میں یہ کہتے ہوے کہ

"کوئی بالک پنے (بچپن) کوئی ترن اوستھا (جوانی) کوئی بڑھاپے مین شریر (بدن) چھوڑتے ہین"

آخر مین ہے:-

"اس اسار (ناپائدار) سنسار مین رہنا کسی کو نہین ہے"

خود مہابھارت کی تالیف جس کی طرف منسوب ہو، یعنی ویاس جی نے جدھشٹر کو یہ سمجھاتے ہوے کہ جنگ مین جو مارے گئے اُن کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے، کہا تھا کہ

"انمہا بھارت سنگرام (جنگ) مین جو مارے گئے، وہ کسی پرکار سے پھر نہین آسکتے"

(شانتی پرب، ادھیاے)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۷) کے حال مین لکھا ہو کہ مجمعون مین نقاب ڈال کر آنکھون پر جاتے پوچھا گیا تو بولے عموماً لوگ مجھے بندرون، سورون، کتون وغیرہ کی شکلون مین نظر آتے ہین، حضرت معاذ بن جبل صحابیؓ سے ایک حدیث بھی مروی ہو کہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ قیامت کے دن بعض اٹھنے والے ان شکلون مین آئین گے یعنی

بعضھم علی صورۃ القردۃ بعضھم علی صورۃ الخنازیر — بعض بندرون کی شکل مین بعض سورون کی شکل مین

اور یہ بھی فرمایا گیا کہ قتات (چغل خور) بندرون کی شکل مین اور حرام خور سورون کی شکل مین ہونگے، (درمنثور بحوالہ ابن المنذر وعبد بن حمید وغیرہ) بہرحال اس روایت کا مضمون بھی یہی ہو کہ قیامت سے پہلے اور موت کے بعد درمیانی وقفہ مین عادات واخلاق اعمال وافعال کی تابع صورتین ہوجاتی ہین، اور انہی صورتون کے ساتھ میدان قیامت مین وہ آئین گے قرآنی آیت تؤتون افواجا کی تفسیر کتابون مین پڑھئے،

"کسی پرکار" کا لفظ قابل غور ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ مرنے والے پھر اس دنیا مین خواہ کسی شکل مین ہو، واپس نہین ہوسکتے، لیکن باوجود ان تمام باتون کے یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر ہندوستان مین یہی خیال پھیل گیا کہ اسی سنسار اور دنیا مین جو چلتے پھرتے جانور چرند، پرند اور درند نظر آتے ہین، کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ مرے ہوے آدمیون کو پھر اس دنیا مین ان جانورون کے جون اور قالب مین چلنے پھرنے کا موقع دیا گیا ہے، گویا یہ باور کہا جاتا ہے کہ "آواگمن" کا نظریہ جس کا عام لفظ آواگون ہے، اس کا مطلب یہی ہو

فلسفہ کی عربی کتابون مین "تناسخ" کے جس مسئلہ کا ذکر پایا جاتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اسی کے قائل ویدک دھرم کے ماننے والے بھی ہین، حتی کہ اسی بنیاد پر بہت سے لوگ جنھون نے ویدک دھرم کی کتابون کا مطالعہ نہین کیا ہے، وہ خیال کرتے ہین کہ جنت ودوزخ کا عقیدہ سامی مذاہب کی خصوصیت ہو، اور آریائی دیانات مین بجائے جنت ودوزخ کے عقیدے کے تناسخ کا عقیدہ مانا جاتا ہو، خود مسلمانون مین اچھے پڑھے لکھے لوگون سے یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا، حالانکہ آپ دیکھ رہے ہین کہ سرگ اور نرک کے الفاظ سے ویدک دھرم مین وہ سب کچھ مانا جاتا ہے، جسے مسلمان الجنۃ والنار کی تعبیرون مین ادا کرتے ہین، گفتگو صرف درمیانی وقفہ کے متعلق ہے، جس سے قیامت سے پہلے ہر مرنے والے کو موت کے بعد سابقہ ہوتا ہے، عام طور پر مسلمانون مین برزخ کے لفظ سے اس وقفہ کو موسوم کرتے ہین، اگر آواگمن کے نظریہ کا تعلق بجائے موجودہ دنیا کے برزخ ہی کی طرف منتقل کردیا جائے، تو واقعہ یہ ہو کہ یہ سامی اور آریائی تقسیم کا کھیل یورپ کے سیاسی بازیگرون کا کھیلا ہوا صرف عقلی تلاعب بن کر رہ جاتا ہے، اور بے شمار منطقی تضاد اور تناقض سے بھی وہ عقیدہ پاک ہوجاتا ہو جسے ویدک دھرم والون کی طرف منسوب کرنیوالون نے منسوب کردیا ہو،[1]

[1] مطلب یہ ہو کہ ہندوستان مین بہت سے جانورون کو غیر معمولی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، جن مین گائے لنگور

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ جیسے مسلمانون کے مختلف فرقون نے اسلامی عقائد و مسلمات
کی تشریح مختلف شکلون مین کرکے اپنا ایک خاص مسلک بنالیا ہے، اور کوئی کسی کو اپنی تشریح کے
ماننے پر مجبور نہین کرسکتا، تو پھر ویدک دھرم کے مختلف مکاتیب خیال اور اسکولون مین اس مذہب
کے مسلمات کی جو تشریحین آج مانی جارہی ہین، ہم بزور ان تشریحون کے ماننے سے ان کو کیسے باز رکھ
سکتے ہین، بلکہ مسلمانون کی حد تک تو گونہ گنجایش بھی ہے کہ اُن کی آسمانی کتاب (قرآن عزیز) تاریخی طور پر
ہر قسم کی بیرونی آمیزشون سے اس وقت تک پاک ہے، اس کو وہ بھی مانتے ہین، اور ماننے پر مجبور ہین،
جنھون نے ابھی قرآن کو خدا کی کتاب نہین تسلیم کیا ہے، اسی لئے مسلمانون پر تو یہ اصرار شاید بے جا اصرار
نہ ہوگا کہ کم از کم قرآن کے حدود سے تو باہر نہ ہون، لیکن مہابھارت جیسی ضخیم کتاب جس مین سب ہی طرح
کی باتین ملی جلی پائی جاتی ہین، ہر خیال والے اپنی تائیدی شہادت اسی کتاب سے حاصل کرتے ہین، اور
کر رہے ہین، بقول مُلّا عبدالقادر بدایونی ہیژدہ ہزار عالم اس کتاب مین پوشیدہ ہے، اس لئے اس کتاب
کے ماننے والون کا مسئلہ کافی دشوار ہوگیا ہے، کانٹون سے پھول عقل کے زور سے چننا آسان نہین، تو غریب
عقل نے بسا اوقات کانٹون کو پھول اور پھولون کو کانٹا باور کرلیا، انسانی عقل کی تاریخ اس کی شاہد ہے،
مسلمانون کی طرح قرآن کو فیصلہ کی حیثیت سے استعمال کرنے کا حق بھی اُن کو اس سے حاصل نہین ہوا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۹) سانپ وغیرہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اب اگر یہ مانا جائے کہ مذکورہ بالا حیوانات [illegible]
انسانون کی شکلین ہین، تو کسی گند گا، یا پی وجہ دکے محترم ہونے کے معنی ہی کیا ہوسکتے ہین، ماسوا اس کے مہابھارت
ہی کے دھرپ ۱۹ ادھیاے مین آفرینش عالم کی داستان کو اس قصہ سے شروع کرکے کہ ابتدا مین صرف برہما
یعنی خدا تھا، اور پانی مین زمین غائب تھی، آگے بیان کیا ہے کہ کشب جی کی گیارہ جوڑون سے ہاتھی گھوڑے، خچر،
اونٹ بھیڑ بکری، شیر ہرن گائے بیل بھینسے وغیرہ چارپائے اور باز کبوتر، بٹیر، طوطے مینا، گرگچ وغیرہ پرندے
اور سانپ مگر، اور مچھلیاں آبی جانور اور کیڑے مکوڑے وغیرہ پیدا ہوئے، الخ ایسی صورت مین یہ خیال کہ ساری جانور انسانون
کی تنزلی قالب مین کہان تک درست ہوسکتا ہے، ۱۲

قرآن ساری آسمانی کتابون کا آخری مکمل ترین اڈیشن ہے، یہی بات ان کی سمجھ مین نہین آتی ہے،

بہرحال اس وقت میرے سامنے یہ مسئلہ ہی بھی نہین، ویدک دھرم کے صحیح عقائد و اعمال کیا تھے، اور
تاریخی انقلابات و مؤثرات سے گذرتے ہوئے اب اُن کی شکل و صورت کیا ہوگئی، اولاً یہ کوئی معمولی کام نہین
ہے اور کوئی کرنا بھی چاہے تو بجائے دوسرون کے خود اس دھرم کے ماننے والے اس تحقیق کو زیادہ مستحق ہین انہی
کی تحقیق دھرم کے ماننے والون کے لئے قابل قبول ہوسکتی ہے، مین تو صرف یہ دکھانا چاہتا تھا کہ قرآن نے جو یہ پوچھا تھا کہ

"ان کے پاس کیا کوئی ایسی باتین آئی ہین جو اُن کے اگلے باپ دادون کے پاس نہ آئی تھین"

اس سوال کا رُخ جیسے دنیا کی دوسری قومون اور امتون کی طرف ہے، اسی طرح واقعات کی روشنی
مین دکھانا چاہتا تھا کہ ویدک دھرم والون کے یہان بھی ہمین وہی چیزین ملتی ہین جنھین قرآن کے ذریعہ
آخری دفعہ قدرت نے بھی بنی آدم کے سپرد کرنا چاہا ہے، خواہ ان چیزون کو اُن کے حقیقی خط و خال کے ساتھ
ماننے والے مان رہے ہون یا نہ مان رہے ہون، لیکن ملنے کی حد تک آپ نے دیکھ لیا کہ جیسے دوسرون کے
یہان ہمین قرآنی تعلیمات کی پرچھائیان ملتی ہین، اسی طرح ویدک دھرم کے آئینے مین بھی ان ہی تعلیمات
کی تصویرون کا ہم نظارہ کرسکتے ہین، بلکہ کہا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے دینی آئینہ مین
یہ تصویرین جتنی زیادہ نمایان ہین، شاید دنیا کے دوسرے ادیان و مذاہب کی موجودہ شکلون مین ہم اُن
کو نہین پاسکتے،

اگرچہ یہ ضمنی بات ہے لیکن پچھلے چند دنون سے یورپ ہی کے بے بنیاد مغالطون کے زیر اثر بعض
لوگون نے ہندی مسلمانون پر یہ الزام جو تھوپنا چاہا کہ اس ملک کے کلچر سے ان کا کلچر مختلف ہے، اور باہر
سے درآمد ہوا ہے، اتفاقاً اس وقت اس کا خیال آگیا، جب کبھی اس کلچری اعتراض کی خبر میرے کانون
تک پہنچی، پہلے تو یہی سمجھ مین نہین آیا کہ ایک ہی ملک کے باشندون مین بعضون کے کلچر کو ہندی کلچر اور
ان ہی باشندون مین سے بعض دوسرے طبقات کے کلچر کو غیر ہندی کلچر قرار دینے کی بنیاد آخر کس منطق پر

قائم ہے ہندی کلچر ہندوستان کے ہندوؤں کا کلچر ہے خواہ وہ دراوڑ کلچر ہو یا بدھسٹ کلچر ہو یا اسی ملک کے ان باشندوں کا کلچر ہو، جن کا مذہب اسلام ہے، وطن ہونے کی حیثیت سے ہندوستان سب کا وطن ہے، بلکہ جو ناستک یا دھرم بے دین اور ملحد لوگ ہیں، ان کو آپ اور جو کچھ جی میں آئے کہئے، لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان ان کا وطن نہیں ہے، اور وہ اس ملک کے وطنی حقوق سے محروم ہیں[1]، اور یہ تو خیر عام بات ہے، اس موقع پر ذرا جس چیز کا خیال مجھے آیا، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کہ ان کا کلچر ہندی کلچر نہیں ہے، اگر کلچر کے اس لفظ میں دینی احساسات و عقائد و خیالات بھی شریک ہیں، اور غالباً مسلمانوں کا امتیازی ذکر ان کے دین اور مذہب ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، تو آپ دیکھ چکے کہ اصولی اور بنیادی عقائد ہی نہیں بلکہ جزئیات اور فروع تک مسلمانوں کے دین کی کسی اور کتاب میں نہیں، مہابھارت تک میں بھی جب پائے جاتے ہیں، تو دین اور مذہب کی وجہ سے مسلمانوں کے کلچر کو غیر ہندی کلچر قرار دینے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہی تو ہوا کہ مہابھارت بھی ہندی کلچر سے خارج ہے، اب میں کیا عرض کروں، عموماً اس قسم کی باتیں وہی کرتے ہیں، جنھوں نے نہ مسلمانوں ہی کے دین کا مطالعہ کیا ہے، اور نہ ویدک دھرم کی کتابوں کو انھوں نے صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن جس نے مسلمانوں کو ساری دنیا کے سچے ادیان اور صادق مذاہب کے صحیح تعلیمات کا جائز وارث بنا دیا ہے اسی وجہ سے

در دل حق سر کنونیم ما

وارثِ موسیٰ و ہارونیم ما

کا بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم مسلمان بجا دعویٰ کر سکتے ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کا کلچر قدرۃً ساری دنیا کا عالمگیر کلچر بن گیا ہے، اُن کے لئے نہ کسی ملک کا کلچر اجنبی ہے، اور نہ وہ کسی کلچر کے لئے اجنبی ہیں

---

[1] مگدھ کے راجہ اشوک اعظم کے سنگی فرامین میں ساتویں فرمان میں یہ فقرہ بھی ہے کہ میرے قلمرو میں اگر کوئی لامذہب بود و باش رکھتا ہو تو اس کو اذیت نہ دی جائے، (اشوک چرتر ص ۰۰)

اور میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ واقعات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے کلچر سے مسلمانوں کا کلچر جتنا زیادہ قریب ہے، اس قرب اس مناسبت کا موجودہ حالات میں شاید ہی کسی دوسرے ملک کے مذہب اور دین کے ماننے والوں کے کلچر کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے، اور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اشوکا کے عہد میں یہ مانتے ہوئے کہ گو ہندوستان میں مختلف ادیان و مذاہب کے لوگ پائے جاتے تھے لیکن ان مذاہب کے اختلافات کی نوعیت وہ نہیں ہے،

"جیسا کہ پران کے ہندو مت، اور اسلام میں ہے" (ص ۲۵۲ تاریخ قدیم ہند)

قدیم ہند کے مورخ ونسنٹ۔ اے اسمتھ کے مذکورہ فقرے یا اسی طرح دوسری شاطرانہ دسیسہ کاریوں کی تہ میں حریفوں نے کس زہر کو ملانا چاہا ہے،

قائم چاندپوری

اور

اُن کا کلام

از جناب محمد علی خان صاحب اثر رامپوری

قائم چاندپوری کے انتقال کو تقریبًا ۱۶۲ برس گذر چکے، لیکن ان کے کلام مین خدا جانے کیا سحر ہے کہ جتنا زیادہ پرانا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی دنیاے ادب کے مشاہیر کی توجہ کا مرکز بنتا جاتا ہے، قائم کے کلام کی شہرت تو اُن کی زندگی ہی مین ہو چکی تھی، لیکن کلام طبع نہ ہونے کی وجہ سے ان کی شہرت عام نہ ہو سکی، اس سلسلہ مین مولانا حسرت موہانی کو اولیت حاصل ہے کہ اونھون نے اردوے معلّی کے سالے جنوری ۱۹۰۵ء مین قائم کے کلام پر تبصرہ کیا، اور دیوان قائم (عطیۂ محمد شفیع الدین خان مرادآبادی) کی کل غزلون کے ردیف وار منتخب اشعار ضمیمۂ اردوے معلّی نمبر ۳ ۱۹۰۵ء مین شائع کئے، جس کو دیکھکر محققین ادب کو کلام کی جانچ اور اس پر راے زنی کا موقع مل سکا اور آیندہ ملتا رہے گا،

اس سلسلہ مین جہان تک اختلافی امور کی تحقیقات کا تعلق ہے، بلاشبہہ ڈاکٹر عبد الحق صاحب کی خدمات قابلِ قدر ہین، جنھون نے قائم کے نام، تاریخ وفات اور مثنویون کے اختلافات پر روشنی ڈال کر اپنی ایک مستقل راے قائم کی ہے،

میری راے مین قائم کی شاعری کا رنگ زبان اور سوز و گداز کے لحاظ سے میر اور درد سے ملتا جلتا ہے، اور بلاغت و حکمت کے اعتبار سے اکثر کلام "ان من الشعر الحکمۃ" کا مصداق ہے، جس مین انھین انفرادیت

حاصل ہے، انھون نے جو کہانیان حکایات لقمان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے لکھین اور جو مثنویان اخلاقی لکھی ہین، وہ اخلاق و موعظت اور نادر تمثیلات و نتائج کے لحاظ سے اربابِ بصیرت کے لئے نادر تحفے کی حیثیت رکھتی ہین،

قائم کی شاعری کا درجہ شاعری مین قائم کا کیا درجہ تھا، اس کو مشہور تذکرہ نویس بتائین گے، اس مین کوئی شبہہ نہین کہ قائم کے کلام کے متعلق قدیم اور جدید تذکرہ نویسون کی راے بہت اونچی ہے، بعض ان کو میر سودا سے نیچے رکھتے ہین، اکثر برابر، اور بعض ان دونون پر بھی ترجیح دیتے ہین، دستور الفصاحت کے مصنف حکیم سید احمد علی خان یکتا لکھنوی اس طرح رقمطراز ہین،

"چہارم از طبقۂ اولی رستم میدانِ شاعری، سہراب معرکۂ سخنوری، افراسیاب مملکت سخن طرازی، دارای سلطنت نکتہ پردازی، مقدمۂ گروہ شعرا، ثانی میر و مرزا، شیخ قیام الدین علی المتخلص قائم کہ عرفش نیز محمد قائم بود شاعرے گذشتہ، با قوت و تمکین، کلامش پر مزہ و نہایت متین، دیوانش سراسر انتخاب و اشعار دلپذیرش مثل لآلی آبدار ہمہ با آب و تاب، تالیف کلمات و بندش الفاظ او اگر نگاہ کنند، قدم بقدم مرزاست، و از برشتگی و سنگی آن اگر گفتہ آید بے شبہہ با میر ہم او است، حق این است کہ پایۂ کلام لطافت انجام این سخن طراز ہیچ وجہ از کسے فروتر نیست، عجب طرز لطیف و وضع نظیف اختیار کردہ کہ لطف و کیفیت ہر دو استاد را شامل بلکہ بعض مقام ترجیح طلب است، و فرق ہمین قدر است کہ آن بزرگ شاگرد مرزاست و بس... بالجملہ شخصے کامل بود، ظاہر حال خود را بلباس درویشی آراستہ می داشت و بہر مجمع و محفل کہ پا میگذاشت بکمال عزت و احترام استقبالش می نمودند"

مجنون گورکھپوری نے بھی تنقیدی حاشیے مطبوعہ ۱۹۳۵ء مین قائم کے منتخب اشعار پیش کرکے ان کے تغزل کو بہت بلند مرتبہ دیا ہے اور یہ راے دی ہے کہ قائم کا دیوان ایسے حکیمانہ کلمات سے بھرا ہوا ہے

جو مسائلِ زندگی پر بلا استثنا حاوی ہے، ان کا تخیل بڑا خلاق ہے، وہ جو باتیں کہتے ہیں، وہ بہت جامع اور ہمہ گیر، اور عام فہم ہوتی ہیں، لیکن عامیانہ نہیں، قائم تغزل کی بدولت غیر فانی رہیں گے"

موجودہ تحقیقات کا جائزہ

مجھے قائم چاندپوری کے پر پوتے مولوی شاہد حسن صاحب علوی سے معلوم ہوا کہ پروفیسر محمد شیرانی مرحوم نے قائم کے متعلق کوئی مضمون رسالہ ادبی دنیا یا اورینٹل میگزین لاہور میں اور سعیدی صاحب ایم آر اے ایس (لندن) نے رسالہ نگار لکھنؤ ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں لکھے تھے، پنڈت پدم سنگھ شرما ساکن ضلع بجنور نے قائم چاندپوری کا جیون چرتر ہندی زبان میں انڈین پریس الہ آباد سے شائع کیا تھا، اور کوثر چاندپوری سابق اڈیٹر "جادہ" بھوپال سے قائم کے اکثر مرثیے وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہتے ہیں لیکن مجھے باوجود کوشش کے ان میں سے کوئی مضمون دستیاب نہ ہوسکا، اور میری تحقیقات کا دائرہ صرف سرکاری کتبخانہ رامپور کے ایک قلمی نسخہ کلیات قائم تک ہی محدود ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ کلیات قائم کی پانچ نقلیں مختلف مقامات پر ہیں اصل نسخہ کلکتہ لائبریری میں ہے، دوسرا انجمن ترقی اردو کے کتبخانہ میں، تیسرا مولانا حسرت کے پاس تھا، چوتھا رامپور کے کتبخانے میں اور پانچواں شاہد حسن صاحب کے پاس تھا جو کھو گیا،

میں نے جب رامپور کے نسخہ کی غزلوں کا مقابلہ مولانا حسرت کے نسخے کی مطبوعہ غزلوں سے کیا تو فرق پایا، اس میں بعض غزلیں ایسی پائیں جو رامپور کے نسخے میں نہ تھیں، اور کچھ ایسی پائیں جو رامپور کے نسخہ میں تھیں، اور مولانا حسرت کے نسخہ میں نہ تھیں، مولانا حسرت نے صرف ایک قصیدہ شائع کیا ہے، اور رامپور کے نسخہ میں متعدد قصیدے ہیں، جن میں سے چند قصیدوں کے منتخب اشعار نمونۃً پیش کئے جائیں گے،

قائم کے حالات سے متعلق بعض نئے انکشافات

قائم کے پر پوتے مولوی شاہد حسن صاحب علوی کے بیان کے مطابق قائم کا نام محمد قائم، والد کا نام محمد ہاشم، بیٹے کا نام محمد اکرم حقیقی بڑے بھائی

کا نام محمد منعم اور منعم تخلص تھا، جس کا ذکر میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرے میں اس طرح کیا ہے،

"منعم تخلص برادر بزرگ میاں محمد قائم از مشاہیران نیست لیکن شعر رتبہ دارمی گوید، از کلامش پختگی ظاہر است"

قائم کے بزرگ ایران سے ہندوستان آئے، جو مذہباً شیعہ تھے، اور قائم بھی اپنے اجداد کے مذہب پر تھے، قائم کی دو بیویاں تھیں، ایک کی اولاد سے مولوی شاہد حسن صاحب ہیں، دوسری بیوی دہلی کی تھیں، جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے، اور دونوں دریائے جمنا میں بچپن ہی میں ڈوب گئے تھے، قائم جوان ہو کر شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں توپخانے کے داروغہ مقرر ہوئے، کچھ دنوں کے بعد دراندازوں نے بادشاہ کو ان کے شیعہ ہونے کی خبر دی، بادشاہ نے کسی حیلے سے ان کو ملازمت سے علحدہ کر دیا، ادھر دلی کے حالات بگڑنا شروع ہوگئے، اس لئے قائم کو مجبوراً اپنے وطن کی طرف لوٹنا پڑا، راستہ میں ایک موضع محمود نامی متصل دھام پور ملا، اس کی مسجد میں ایک عرصہ تک اہل سنت کی امامت کرتے رہے، فارسی تو گویا خاندانی زبان ہی تھی، عربی میں بھی کافی دستگاہ حاصل تھی، لباس اور قطع وضع بھی درویشانہ تھی، آخر امامت مسجد نے قائم کے خیالات پر اثر ڈالا اور وہ دل سے اہل سنت کے مذہب میں داخل ہوگئے، جب دلی کے حالات قدرے سازگار ہوئے، تو اسکے بعد پھر دلی واپس آئے، اور اپنے عہدے پر بحال ہوگئے، چاندپور میں جو مکان قائم کے والد نے بنایا تھا، وہ اب تک موجود ہے، اور اسی میں مولوی شاہد حسن صاحب رہتے ہیں، قائم کے علم وفضل کی بدولت پورا خاندان مولوی کہلاتا ہے،

قائم کا مذہب

قائم کے شیعہ ہونے کا ثبوت اس رباعی سے ملتا ہے،

جب سے کہ یہ باغ دین کی بوٹی نکلی — سُنّی خلق ساری جھوٹی نکلی
اصحاب ثلثہ کی محبت یہ ہے — داڑھی بھی جو نکلی تو کھوٹی نکلی

سنی ہونے کا ثبوت

خداوند اپئے آلِ پیمبر — بحقِ باطنِ ہر چار سرور

مین ہون گو قابلِ نارِ جہنم	پہ تیرے فضل کا دریا ہی کیا کم
نے وضع سے دوستو کی جی ہی نکلا	نے جی سے خیال دوستی ہی نکلا
مین جس سے ملا بقول تورانیان	سو آخر کار رافضی ہی نکلا

دلی کی ملازمت کے بعد قائم انولے کے قریب ٹانڈے میں نواب محمد یار خان المتخلص بہ امیر کے ملازم اور استاد ہوے، جہان مصحفی وغیرہ سے بھی ملاقات ہوئی، ۱۱۸۸ھ میں نواب سید فیض اللہ خان والئی رامپور نواب محمد یار خان کو رامپور لے آئے، اور اُن کی سکونت کے لئے کرم خان رزڑ کا مکان جو موجودہ قلعہ کے مشرقی جانب انگوروالی مسجد کے متصل تھا، عطا کیا، اور تفریح کے لئے کرم خان رزڑ کا باغ مرحمت ہوا، جواب انگوری باغ کہلاتا ہے، اُن کے ساتھ قائم چاندپوری بھی رامپور آئے، لیکن قیام رامپور کے چند ہی مہینہ بعد نواب محمد یار خان کا یکم ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ کو انتقال ہوگیا، اس وقت اُن کے بیٹے نواب احمد یار خان افسر کی عمر ۱۱ سال کی تھی، قائم چاندپوری اُن کے اُستاد کی حیثیت سے ایک مدت تک رامپور مین رہے، رامپور ہی کے زمانہ قیام مین مولوی قدرت اللہ شوق مصنف طبقات الشعراء قائم کے شاگرد ہوے، آخر مین نواب احمد یار خان[۳] کی ناقدری نے انھین لکھنو جانے پر مجبور کیا، جب وہ لکھنو سے اپنے وثیقہ اور جائداد کی واگذاشت کا پروانہ لے کر پلٹے، تو رامپور مین اترے اور اس ارادہ سے اترے کہ اب کبھی رامپور سے نہ جائین گے، اُن کی تدفین نواب محمد یار خان کے مقبرے مین جو محلہ مدرسہ کہنہ مین واقع ہے ہوئی،

۱؎ ماخوذ از "اخبار الصنادید" تاریخ ریاست رامپور ۲؎ مخزن نکات قائم مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب

مین نواب احمد یار خان کو نواب فیض اللہ خان کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے، جو صحیح نہین، نواب احمد یار خان نواب فیض اللہ کے بھتیجے تھے، بیٹے نہ تھے، کیونکہ نواب محمد یار خان اور نواب فیض اللہ خان دونون نواب علی محمد خان کے بیٹے تھے،

قیاس یہ ہے کہ انتقال کے وقت قائم کی عمر ۷۰ اور ۸۰ کے درمیان ہوگی،

قائم کا صحیح نام | قائم کا صحیح نام محمد قائم ہی تھا، جو خاندان کے نامون کے ہم وزن ہے، قیام الدین اُن کا لقب ہی قرار دیا جا سکتا ہے، قدیم تذکرہ نویسون مین میر حسن دہلوی، اور میر تقی میر نے جو قائم سے خود واقف تھے، محمد قائم تحریر کیا ہے، مولوی قدرت اللہ شوق نے بھی جو قائم کے شاگرد رشید تھے، محمد قائم ہی لکھا ہے، دوسرے تذکرہ نویسون نے لقب کو نام سمجھ لیا، چنانچہ کسی نے قیام الدین سے پہلے محمد کا اضافہ کر دیا، کسی نے آخر مین علی کا لفظ بڑھایا، ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے بھی قیام الدین کو صحیح نام قرار دیا، جس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ مخزن نکات قائم مین قیام الدین ہی تحریر ہے،

میری رائے مین اتنے مکمل ثبوت کے پیش نظر جو اوپر دیا گیا ہے یہ دلیل زیادہ وقعت نہین رکھتی، اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ تذکرہ قائم کے نقل کرنے والے نے دوسرے ایسے تذکرون کو دیکھ کر جن مین قیام الدین تحریر تھا، یہی نقل کر دیا ہو، اس کے علاوہ یہ بات ادنی غور سے واضح ہو سکتی ہے کہ قیام الدین کے نام کے ساتھ قائم تخلص اس لئے زیادہ موزون نہین معلوم ہوتا کہ اکثر شعراء اپنے نام کے ایک جزو کو تخلص قرار دیتے ہین لہذا اس اصول پر بجائے قائم کے قیام تخلص زیادہ مناسب ہوگا،

سالِ وفات | امیر مینائی، عبدالحی بدایونی، عبدالغفور نساخ، مرزا علی لطف علی ابراہیم اور کریم الدین نے قائم کا سال وفات ۱۲۱۰ھ لکھا ہے، لیکن ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے جرأت کے اس شعر سے:

جرأت نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات	یکتائی کیسا تھ
قائم نہ رہا شعر ہندی نہ رہی کیا کہون آہ

سال وفات ۱۲۰۸ھ ثابت کیا ہے، چونکہ لفظ قائم لغوی معنون مین بھی استعمال ہو سکتا ہے، جو قائم چاندپوری ہی کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ اس کا اطلاق ہر شاعر پر ہو سکتا ہے، اس لئے مین نے رامپور کے کتبخانہ مین جرأت کی کلیات کے پانچون قلمی نسخون کو بھی دیکھا، لیکن یہ شعر کہین نہ ملا، بہرحال ایسے حالات مین ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہین،

مثنویاں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ شدت سرما و گرما کی دونوں مثنویاں سودا اور قائم کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہیں لیکن میر حسن انھیں قائم ہی کی مثنویاں قرار دیتے ہیں، (رامپور کے نسخے میں صرف شدت سرما کی مثنوی پائی جاتی ہے، جس کے ۷۵ شعر ہیں) چند اور مثنویاں بھی مشترک پائی جاتی ہیں، ایک طویل عشقیہ مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے،

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل | تپ دل دے بقدر خواہش دل

لطف یہ کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے، ڈاکٹر صاحب کی رائے میں یہ مثنوی قائم ہی کی ہے،

قائم کی حسن پرستی قائم کے کلام کی بلاغت، فلسفہ و حکمت، ہمہ گیری اور جامعیت کے متعلق اکثر تذکروں اور تبصرہ نگاروں نے جن بلند پایہ رایوں کا اظہار کیا ہے ان کو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، اب اُن کی صورت اور سیرت کے خد و خال تذکروں کے آئینوں میں ملاحظہ فرمائیے، جس سے واضح ہوگا کہ قائم کا لباس اور وضع قطع درویشانہ تھی، اور ہر مجمع میں ان کا احترام کیا جاتا تھا، وہ صاحب درد، متواضع، با خلق، مہذب صورت اور پاکیزہ سیرت، رکھتے تھے، البتہ میر تقی میر نے تذکرہ نکات الشعراء میں قائم کی حسن پرستی پر بھی روشنی ڈالی ہے، جو کوئی عیب نہیں ہے، تغزل کی بنیاد ہی حسن و عشق پر ہے، جو شاعر محبت کے جذبات سے محروم ہوتے ہیں، اس کی شاعری محض نقالی ہوتی ہے، جس کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، اسی لئے وہ تاثیر سے قطعاً معرا ہوتی ہے، چونکہ قائم کی قسمت میں ایک بلند پایہ شاعر ہونا تھا، اس لئے قدرت نے انھیں ایک حساس دل عطا کیا تھا، تاکہ اُن کے عشقیہ جذبات صداقت سے لبریز ہوں اور سننے والوں کو تڑپا دیں،

قائم کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حُسن پرستی کی ابتدا، اگرچہ ہوا و ہوس سے ہوئی، لیکن جذبات جتنے بلند و پاکیزہ ہوتے گئے، اتنا ہی قدم آگے بڑھتا گیا، خود فرماتے ہیں،

ہوس سے ہم کیا تھا عشق اول | وہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا

اسی ابتدائی دور کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

جانا ہے تو جائیو، پہ ظالم | دو چار گھڑی تو اور شب جائے

قائم شب اس کے گھر میں مرا جی دہل گیا | زنجیر در جو باد سے ٹک بھی کھڑک گئی

یک شب وہ کہیں گود میں سویا تھا سو قائم | پھر بالش مخمل سے بھی آرام نہ پایا

قائم نے اگرچہ اس کوچے میں قدم رکھنے کے بعد اخفائے راز کی انتہائی کوشش کی، لیکن

ع:- نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

راز فاش ہو ہی گیا، اور رسوائی کے ڈر نے معقول توجیہات اور الزامی جوابات پر مجبور کر دیا،

کون ہے قائم اس جگہ جس کو نہیں کسی سے ربط | میری ہی چاہ کی فقط شہر میں دھوم مچ گئی

ہوں میں رسوائے جہاں وضع سے اپنی ورنہ | جو کوئی اہل نظر ہے کہیں مفتوں ہے

جب اس سے بھی کام نہ چلا تو دل کو سمجھانا ہی پڑا،

بتاں کے ربط سے قائم خلل ہے حرمت میں | خدا کے واسطے اس قوم کو نہ کر گستاخ

بونا یاں تخم آرزوئے ہوس | کب یہ دل قابل زراعت ہے

قائم کی انفرادیت قائم کے دیوان عشق کے عنوانوں میں اگرچہ دوسرے شعراء کی طرح نالہ و فریاد بھی ہے، گریہ و بکا بھی، زحمت انتظار بھی، رقابت بھی، وعدہ و پیغام و نامہ بری بھی، لیکن انھوں نے عام شعراء کے پامال راستے چھوڑ کر اپنی شاہراہ الگ بنائی ہے، اور ہر مضمون کو قعر مذلت سے نکال کر اوج کمال پر پہنچا دیا ہے،

نالہ و فریاد:-

نے نالے میں تاثیر ہے نے آہ میں یاں درد | معلوم ہو کس طرح تجھے چاہ کسی کی

ویسی ہی آہ، وہی نالہ ہے   اب بھی یان فضلِ حق تعالیٰ ہے

آہ و نالہ کا وجود ہے لیکن دل کی گہرائیون مین مخفی اور اظہار سے بے نیاز، وہ ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے، جو تن من کو جلادیتی ہے لیکن دھوئین کا پتہ نہیں بلکہ وہ ایک نعمت ہو جس کو فضلِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے،

گریہ و بکا:-

مانع گریہ کس کی خو ہو کہ آج   آنسوؤن سے بہا نہین جاتا

مصرعِ ثانی کی بلاغت داد و تحسین سے بے نیاز ہے،

زحمتِ انتظار:-

نے وعدہ اس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہون   پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کا

اے راست وعدہ شام سے تجھ بن سحر تلک   سو بار پھر گیا ہون مین آ آ کے در تلک

رقابت:-

خدا نہ کردہ اُسے غیر سے تو کیا مرد کار   تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی

نامہ و پیام:-

نامہ و پیام کے مضمون کو مختلف صورتون مین شعرا نے اپنے مذاق کے مطابق نظم کیا ہی، قائم کے دو شعر بھی ملاخطہ ہون جس کا مضمون نہ صرف سب سے الگ اور اچھوتا بلکہ فطری جذبات کی مکمل تصویر ہے،

ایراد کر نہ پڑھ کے مرا خط کہ یہ تمام   بے ربطیان ہین ثمرۂ ہنگامِ اشتیاق

نہ پہنچا کان تلک اُس جنگجو کے حال مرا   خدا بھلا کرے نامے کی نارسائی کا

بوسہ کے مضامین مین اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے، لیکن قائم نے اس مین بھی اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے،

قائم اور تجھ سے طلب بوسہ کی؟ کیونکر مانون   ہے تو نادان مگر اتنا بھی بدآموز نہین

یہ شعر گواہ ہو کہ قائم کے جذبات عامیانہ نہ تھے،

اب مختلف رنگ کے بلند و پاکیزہ اشعار ملاحظہ ہون،

احساسِ گناہ:-

ہائے قائم نہ تری آنکھ پسیجی اک دن   ابر روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

اپنی بے مائگی:-

دین سے بہرہ نہ کچھ مجھ کو نہ دنیا سے نصیب   جانیئے اس خلقتِ ناقص سے کیا منظور ہی

فریبِ ہستی:-

تھا بد و نیک جہان سے مین عدم مین آزاد   آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھ کو

عشق مجازی مین احتیاط:-

ہر قدم کوئے بتان کا رگہ مینا ہے   دیکھ بچ بچ کے سنبھالے ہوئے ہشیاری سے

عشق کی عظمت:-

بد دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا   مرتبہ عشق کا یان حسن سے بھی دور گیا

عظمتِ دل

دیر دل جانیئے کیدھر ہے پہ یہ سنتے ہین   یان سے جو قافلہ بھولا سو حرم پہنچا ہی

گو کہ دیتا تھا فلک مول ہی دل کو دو جہان   اتنی قیمت پہ تو اس مال کو ڈالا نہ گیا

منزلِ مقصود دیر و حرم سے پرے ہی،

خدمت دیر و حرم کی جو مین یک عمر تو کیا   درگہِ دل مین تو اب تک شرف اندوز نہین

سب سے بڑا معلم کتاب دل ہی،

اک جزو دل کی سیر تو اب رہ گئی ہے اور — جو کچھ پڑھا لکھا تھا سو ہم نے ڈبو دیا
جز سیر دل اب اور کتابت نہیں ہے — جی اٹکے ہے جس مین وہ بھی ایک رتی ہی

رضا بالقضاء:-

کشاکش موج سے کرنا کوئی مقدر نہین خس کا — مین اور تیری رضا پیارے جدھر چاہے ادھر لیجا

تصویر وحدت:-

صورت غیر کو قائم نہ جگہ دے دل مین — عکس جاتا ہی نہین آگے اس آئینے مین
نہ جانے پس پردہ بستا ہے کون — کہ یان ہر دم اک شور غلغل ہی

فنا مین بقا:-

گم کر تو آپ کو یان گر چاہتا ہی کچھ جو — قطرہ جو خوب ڈوبا اس بحر مین گہر ہی
ہے وہ تجھ مین واسطے جس کے کہ تو خواری مین ہی — پر خدا جانے کہ تو کس کی طلبگاری مین ہی

جلوون کی نیرنگی کا عرفان:-

ہر اک صورت مین تجھ کو جانتے ہین — ہم اس بہروپ کو پہچانتے ہین

وحدت و کثرت:-

جزو کل کے فرق پر مت جا کہ آتش کو تو دیکھ — ہے جو تودے مین وہی ذرہ سی چنگاری مین ہے
اُس سے بے ہستی تک اپنی تفرقہ یک بیش نہین — نقطہ و خط دو ہین جو جائے مین لیکن وہ نہین

حوصلہ کی بلندی:-

ہمت مری ہوئی نہ کسی مرتبے مین بند — کیا جانے کس مقام کی تھی آرزو مجھے

موجودہ کتب خانہ رامپور | رامپور کے کتب خانہ مین کلیات قائم کا جو نسخہ ہی اُس مین اُن کے اصناف سخن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

غزلین | رباعیان | قصائد | مثنوی موسم سرما | مثنوی افسانۂ عشق مع حکایات | مثنوی نماز
۳۰۶۰ شعر | ۹۴ شعر | ۱۶ شعر | ۵۶ شعر | ۳۶۱ شعر | ۱۶۹ شعر

مع حکایات | مثنوی قضا و قدر | مثنوی درد قولنج | مثنوی مرد عیار | مثنوی بندہ درگاہ | مثنوی سکندر
۶۸ شعر | ۲۲ شعر | ۸ شعر | ۷ شعر | ۱۳ شعر

وارسطو، مثنوی ہولی، مثنوی زن اوباش، مثنوی گرگ و گوسفند،
۲۵ شعر | ۴ شعر | ۱۶ شعر

اخلاقی کہانیان | شاختراشی | مرد طریق | ہوس | زن سبوبردار | مرد عارف | پدر و پسر | دو دوست
۱۵ شعر | ۱۱ شعر | ۱۲ شعر | ۱۲ شعر | ۱۶ شعر | ۱۰ شعر | ۱۵ شعر

استاد | مرد عالی مقام،
۱۴ شعر | ۱۰ شعر

ہجوین | ہجو حافظ نابینا | ہجو خارش | ہجو کوزی | ہجو حجام | ہجو کیچڑ سبوتی | ہجو تنگ باز | ہجو شیخ،
۴۴ شعر | ۱۰ شعر | ۱۴ شعر | ۲۵ شعر | ۳۶ شعر | ۵۵ شعر | ۴ شعر

متفرق | قطعات | تاریخین | مسدس و مخمس | ترجیع بند،
۲۳ شعر | ۵ | ۲ بند | ۱۶ شعر

قائم کے وہ اشعار اپنے حسن قبول کی وجہ سے ضرب المثل مشہور بن گئے ہین، اور جن کی نقل مین مختلف لفظی تغیرات ہوئے ہین، چنانچہ حسب ذیل مشہور شعر

قسمت کی دیکھو خوبی کہان ٹوٹی ہے کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

کو مختلف شعراء اور تذکرہ نگارون نے اس طرح نقل کیا ہی،

مولانا حسرت: قسمت کو دیکھو کہ کہان ٹوٹی ہے کمند " " " "

گلِ رعنا: قسمت کو دیکھیے کہ کمان ٹوٹی جا کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

شعر الہند قسمت تو دیکھیے کہ کمان ٹوٹی ہی کمند — " " " " " "

انجمن ترقی اردو: قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہان کمند — کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

امیر مینائی قسمت تو دیکھ " " " — " " " " " " "

رامپور کے قلمی نسخے میں بھی یہ شعر اسی طرح ہے،

بعض وہ اشعار جن کے مضامین کو دوسرے شعرا نے اپنایا ہے،

قائم خاک ہے اس ہر گردون پر کیون نہ کھینچ — صورتین کیا کیا دین اتنی خرم و شاداب داب

غالب سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین — خاک مین کیا صورتین ہون گی کہ پنہان ہوگئین،

قائم قتل دشمن ہے کام کیا قائم — مارنا آپ کو شجاعت ہے،

ذوق بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا — نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

قائم کوئی اپنی خاطر ایسا کہین اک مکان ہووے — کہ نہ یہ زمین ہووے، نہ یہ آسمان ہووے

" جی مین ہے اس پرے اس عالم کے — جا کوئی جھونپڑا بسائے گا،

غالب: رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہان کوئی نہ ہو — ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو

قائم: کیا کیا عدم مین ہم پہ ظلم و ستم نہ ہون گے — یہ چرچے یہی رہین گے اور ہائے ہم نہ ہون گے

نامعلوم: دنیا کے جو مزے ہین ہرگز یہ کم نہ ہونگے، — چرچے یہی رہین گے افسوس ہم نہ ہون گے

قائم زاہد در مسجد پہ خرابات کی تو نے — جی بھی یونہی چاہے تھا کرامات کی تو نے

داغ میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ — ہر ایک پوچھتا تھا کہ حضرت ادھر کہان

قائم ہو گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت — تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہت

ذوق آشناؤن سے اگر ایسے ہی بیزار ہو تم — تو ڈبو دو انھین دریا مین سفینے بھر کے

قائم شیخ جی مانا مین اس کو تم فرشتہ ہو تو ہو — لیک حضرت آدمی ہونا نہایت دور ہے

نامعلوم شیخ صاحب تم فرشتہ ہو تو ہو، — آدمی ہونا بہت دشوار ہے،

مجنون گورکھپوری نے تنقیدی حاشیے مین قائم کے دو شعر ایسے پیش کئے ہین جنکے مضامین کو مومن اور غالب نے اپنایا ہے،

قائم ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو یہان — سننے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہین

حیرت ہے کہ اس شعر کے ہوتے ہوئے مومن کا یہ شعر کیسے ضرب المثل ہو گیا،

ایک ہم ہین کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس — ایک وہ ہین کہ جنھین چاہ کے ارمان ہون گے

غالب کا یہ شعر

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے — کہ موجِ بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

ممکن ہے قائم کے اس شعر کو سامنے رکھکر کہا گیا ہو،

وہ دن گئے کہ اٹھاتا تھا ناز نکہت گل — ہے بے دماغی دل اندنون گران مجھے،

(باقی)

روحانی دنیا

از

از جناب مولوی عبدالماجد صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر اسلامک سٹڈیز بہار پٹنہ

(۲)

مسمریزم اور ہپنوٹزم کے طریقے معروف و مشہور ہین، اور اُن کو اس موضوع کی تمام کتابون مین دیکھا جاسکتا ہی،

ریسرچ سوسائٹی نے انھین طریقون سے روحون سے مراسلات کئے ہین، جو بیالوجیکل ریسرچ سوسائٹی مین شائع ہوئے ہین، (ان مین سے کچھ مائرس نے اپنی کتاب ہیومن پرسنیلٹی (Human Personality) مین اور کچھ سر اولیور لاج نے سروائیول اوف مین (Survival of man) مین اور ایک دوسری کتاب رمینڈ (Raymond) مین درج کئے ہین،

اس سلسلہ مین یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ان حکمت عملیون سے انسانی دماغ کیون عالم ارواح کی سیر کرنے لگتا ہے، اس کا سبب ذیل کی مثالون سے واضح ہو جائے گا، یہ ہم مین سے ہر شخص کا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے کمرہ کی چیزین دیکھنا چاہتا ہو، جس کے کیواڑ مین شیشے لگے ہون، اور ان شیشون پر باہر سے روشنی کا عکس پڑ رہا ہو، تو اندر کی چیزین اس وقت نہین دیکھ سکتا، جب تک باہر کے انعکاس کو روک نہ دیا جائے، یعنی پہلے دونون ہاتھون سے شیشے پر ایک حلقہ بنایا جائے اور دونون آنکھون کو حلقہ اندر کرکے شیشہ سے ملا کر دیکھا جائے، اس وقت اندر کی چیزین نظر آتی ہین، ورنہ نگاہ باہر کے انعکاس

سے الجھ کر رہجاتی ہے،، اسی طرح جب ہم باطنیات کی طرف متوجہ ہونا چاہین تو یہ ضروری ہے کہ ظاہر کے مشاہدات اور تصورات سے اپنے خیالات کو پاک کرلین، ورنہ خیالات، مدرکات ظاہری مین الجھ کر رہ جائین گے،

دوسری مثال اکیسرے کی ہے اس سے پوشیدہ اعضا نظر آنے لگتے ہین، اور چمڑے اور گوشت کو عبور کرکے ہڈی یا پھیپھڑے کا فوٹو آجاتا ہے، جس کے ذریعہ ڈاکٹر مرض کی تشخیص کرتے ہین، اور پوشیدہ اعضاء کے اس عکس مین کوئی شک و شبہہ نہین کیا جاتا، اس کی ایجاد کا واقعہ یہ ہے کہ مصور جن شیشون پر تصویر کا عکس لیتا ہے انکو نہایت تاریک کمرون مین ایسی دوائین پانی مین ملا کر دھوتا ہے جس سے قوت انعکاس زائل ہو جاتی ہے، ایک دفعہ ایک مصور رات کے وقت ایک شیشہ دھونے لگا، اور کمرے کے تیز روشنی کے بلب کو ایک کاٹھ کے بکس مین بند کردیا، اتفاق سے اس بکس کے قریب ہی کچھ شیشے دھوئے ہوے رکھے تھے، ان کو دھونے کے بعد ان مین ایک خاص طریقہ کی سیدھی سیدھی لکیرین ظاہر ہوئین، مصور کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لکیرین کہان سے آئین، اس کو شبہہ ہوا کہ کہین اس بکس سے تو روشنی نہین نکلی، اس کی تحقیق کے لئے اس نے چند مرتبہ اسی طرح روشنی کو چھپا کر فوٹو کے شیشے اس کے قریب رکھ کر دیکھا، تو برابر لکیرین پیدا ہوتی رہین، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ تیز روشنی کو ڈھانکنے سے اس کی کرن کسی ایک سمت سے ڈھکنے کو عبور کرکے نکل پڑتی ہے یعنی پردون سے بھی چھن کر نکل جاتی ہے، اس تجربہ کی بنیاد پر اکسرے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، جس مین بجلی کی روشنی کے عکس کے ذریعہ پوشیدہ اعضاء کی حالت معلوم ہوجاتی ہے،، اسی طرح جب خیال کی روشنی ہر طرف سے بند کردیجاتی ہے تو بہت دور تک عبور کرتی ہے، اور پردے کے اندر کی چیزین نمایان ہو جاتی ہین،، اسی کو نورِ باطن کہئے یا انکشاف، مگر بزرگانِ دین کے مکاشفات اور مسمریزم یا ہپنوٹزم کے معلومات مین آسمان و زمین کا فرق ہے، ان کی پرواز زیادہ سے زیادہ عالم ارواح تک ہو سکتی ہے، لیکن بزرگان دین اپنی

روحانیت کے ذریعہ اس ذات واجب الوجود تک پہنچے ہیں، جو ان تمام اشیاء اور حالات سے واقف ہی نہیں بلکہ ان کی خالق ہے، اس لئے ان کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہو سکتا ہے، کہ اس کا تصور نہیں کیا کیا جا سکتا، اس کے علاوہ ان کے مدارج کشف پر فائز ہونے سے پہلے اُن کے عادات، اعمال، اخلاق، خیالات، تصورات اور معتقدات کی پوری اصلاح ہو چکتی ہے، اس لئے ان کی روحانیت بہت قوی ہوتی ہے، اس لئے وہ ایسے واقعات سے واقف ہو سکتے ہیں، جو ذات باری کے علم و مشیت میں ہوں لیکن کتنے انسان اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں، اس کی تحقیق کا ذریعہ بھی نور باطن ہی ہے،

نہایت افسوس ہے کہ ہماری مادی دنیا میں اس نور باطن سے بے خبری ہے، موجودہ دور میں سگمنڈ فرائڈ کے نفسیاتی تجربات اور اس کے اصول نے روحانیت پر اور بھی زیادہ پردہ ڈال دیا ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ جو چیزیں انسانی تجربوں میں نہ آ چکی ہوں، ان کا ادراک، شعوری یا غیر شعوری کسی حالت میں بھی نہیں ہو سکتا، چنانچہ وہ رویائے صادقہ کا مذاق اڑاتا ہے، اور اس کو عالم استغراق (Trance) یا خواب یا محویت کا نہ تجربہ ہو سکا، اور نہ اس کے متعلق اس نے کوئی تحقیق کی،

مگر اب خدا کے فضل سے اس کے بہت سے مخالفین پیدا ہو گئے ہیں، اور یورپ میں روحانی تحقیق کا ذوق پیدا ہو گیا ہے، اور پروفیسر سر اولیور لاج، پروفیسر ہیرٹ، پروفیسر ولیم جیمس وغیرہ جیسے سیکڑوں ارباب علم نے روحانی مراسلات اور روحانی زندگی کی تحقیق میں پوری عمر صرف کر دی، اس کے ثبوت کے لئے ذیل میں سائکولوجیکل ریسرچ سوسائٹی کی رپورٹ میں شائع شدہ چند مراسلات درج کئے جائیں گے، جن سے اس دنیا کا اندازہ ہو گا،

۱- ایک مرتبہ اسٹاک ہوم کے ڈچ سفیر کی بیوی "مارٹی ویلی" پر ایک سنار نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کو متوفی شوہر نے اس سے چاندی کی کوئی چیز بنوائی تھی، جس کی اجرت اس کو نہیں ملی لیکن اس عورت کو یقین تھا کہ اس کے شوہر نے اس کی رقم باقی نہیں چھوڑی ہو گی، چنانچہ اس نے

مسٹر سوئیڈن برگ (Sweden borg) کو اپنے مکان پر بلایا، اور کہا کہ اگر یہ سچ ہے کہ آپ میں مُردوں کی روحوں سے مراسلہ کرنے کی طاقت ہے تو مہربانی فرما کر میرے شوہر سے یہ دریافت فرمائیے کہ کیا اُن کے ذمہ سنار کا بقایا صحیح ہے، سوئیڈن برگ نے منظور کر لیا، اور اس عورت کے شوہر کی روح سے پوچھ کر بتایا کہ وہ قرض اپنے مرنے سے چند مہینے پیشتر ادا کر چکے تھے، اور اس کی رسید اوپر کی منزل پر ایک دراز میں رکھی ہے، عورت نے کہا کہ وہ دراز صاف کیا جا چکا ہے، اس میں کوئی کاغذ نہیں ہے، سوئیڈن برگ نے کہا کہ اس کے شوہر نے صراحت بتایا ہے کہ دراز کو کھینچنے کے بعد ایک تختی نظر آئے گی، اس تختی کو ہٹانے پر ایک چور دراز ملے گی، جس میں اُس کے پوشیدہ "ڈچ" مراسلات رکھے ہوئے ہیں، اسی میں رسید بھی ہے، یہ سُن کر ایک پوری جماعت اس عورت کے ساتھ کوٹھے پر گئی، اور دراز کو نکال کر دیکھا تو اس میں ایک چور خانہ ملا جس پر اب تک کسی کی نظر نہیں پڑی تھی، اور اس میں وہ رسید مل گئی، ہر شخص کو بڑی حیرت ہوئی، (سروائیول آف مین مصنفہ سر اولیور لوج ص ۱۲۹)

۲- آئرلینڈ کے ایک مشہور شخص کرنل بی کا بیان ہے کہ اُن کی بیوی نے مس اکس" کو اپنی لڑکیوں کو گانا سکھانے کے لئے مقرر کیا تھا، اس کی شادی مسٹر زڈ سے ہو گئی، اور سلسلۂ تعلیم موقوف ہو گیا، ۶، ۷ سال کے بعد کرنل بی کی بیوی جب حالت نزع میں تھی، تو کہنے لگی، آج میں بار بار کسی جانے ہوئے شخص کے گانے کی آواز سُن رہی ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی آواز ہے، یکایک وہ چپ ہو گئی، کرنل بی کے سر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی، کہ وہ کونے میں کون ہے، یہ تو گویا اکس (مس اکس) معلوم ہوتی ہے وہ آرہی ہے، وہ تمہاری طرف جھکی، اُس نے ہاتھ اٹھایا، دیکھئے وہ دعا کر رہی ہے، لو وہ جا رہی ہے کرنل بی کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا کہ گانے کی آواز اور یہ نقشہ حالت مرگ کا واہمہ ہے،

دو دن کے بعد اخبار ٹائمس میں شائع ہوا کہ جولیا مسٹر زڈ کی بیوی قضا کر گئی، مجھ کو بڑی حیرت ہوئی، میں نے جا کر مسٹر اکس سے پوچھا کیا آپ کی لڑکی مسٹر زڈ کی بیوی قضا کر گئی؟ اس نے کہا ہاں، ولادت

کے بعد اس کو بخار آنے لگا، اسی مین گذر گئی، مرنے کے روز صبح ہی سے گانے لگی، اور مرتے دم تک برابر گاتی رہی۔

۳- ایسا ہی قصہ الیسا مینورس (Elisa Mannors) کا ہے جو مسٹر مارس یعنی امریکن سوسائٹی کے صدر کی قریبی رشتہ دار تھی، یہ قصہ مسٹر ہوڈسن (Hodgsan) کے تجربات مین بیان ہو چکا ہے جو سوسائٹی کی رپورٹ مجلد نمبر ۱۳ کے صفحہ نمبر ۳۷۸ مین ان الفاظ مین درج ہے:

ڈاکٹر ہورس بیان کرتے ہین، کہ مین مسز پائیر کی سٹنگ مین جا رہا تھا کہ راستہ مین ایک صباح اخبار بوسٹن مین مسٹر اف کی موت کی خبر دیکھی، نشست مین پہنچا اس مین تحریر جو آئی وہ الیسا کی جانب کی طرف سے مراسلہ تھا، اس مین لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کی موت کے وقت موجود تھی، اور اس عالم سے کوچ کرتے وقت اُن کی جو مدد کی تھی، اس کی تفصیل تھی، مین نے اس واقعہ کو اپنے ایک دوست سے جو الیسا سے واقف تھا، اور مسٹر اف کا رشتہ دار تھا، بیان کیا، ایک دو دن کے بعد میرے اس دوست کی مسٹر اف کے ایک دوسرے رشتہ دار سے ملاقات ہوئی، جو مسٹر اف کے مرنے کے وقت ان کے پاس موجود تھا، اس نے کہا کہ مسٹر اف مرنے کے وقت کہہ رہے تھے کہ الیسا ان سے باتین کر رہی تھی، اور ان باتون کو دہرایا، جو بجنسہٖ وہی باتین تھین، جو الیسا نے مسز پائیر کے مراسلہ مین تحریر کی تھین۔

۴- مسٹر اسٹنٹن موسز (Stainton Moses) ۸ اپریل ۱۸۷۴ء کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بڈفورڈ مین مقیم تھے، اور ایک دن شام کے وقت قدیم مذاہب کے متعلق مراسلے حاصل کر رہے تھے، اس سلسلہ میں وہ ایک سوال کرنا چاہتے تھے، اور صرف اتنا کہا تھا کہ "مین جاننا چاہتا ہون" کہ یکایک بے کا کسی مناسب لفظ کے ایک ذہنی نقشہ بن گیا، اور عامل و معمول مین حسب ذیل گفتگو ہونے لگی،

عامل:- کیا ہے؟ کیون، درمیان مین رکاوٹ کیون پیدا ہو گئی،

معمول:- ایک روح کچھ مراسلہ بھیجنا چاہتی ہے، ہم لوگ تم کو اجازت دینے پر مجبور ہین وہ آسانی سے لکھ نہین سکتی، لیکن ہمارے ذریعہ مراسلہ بھیجنا چاہتی ہے، اس کا نام فنی وٹیوبی (Fanny Westoby) ہے،

تم اس کو جانتے ہو،

عامل: مجھے یاد نہین،

معمول: تمھاری ماں اچھی طرح جانتی ہین، وہ ان کی بہن ہوتی ہین، تمھاری دنیا سے وہ گذشتہ مئی کی پندرہ کو رخصت ہوئی ہین،

عامل: کیا اس کی شادی ہو چکی تھی؟

معمول: ہان اس کا بیاہا نام کرکھم (Kirkham) ہے،

عامل: یعنی کرکھم، ہان اب مجھے کچھ دھندلی سی یاد آ رہی ہے، وہ مارک بی (Markby) مین رہتی تھی،

معمول: وہ کہتی ہے کہ وہ آل فورڈ مین اس مکان مین پیدا ہوئی تھی، جس مین اب سام سٹونس رہتے ہین، اس کے بعد وہ مارکبی مین رہنے لگی، اور بیاہ کے بعد بلیچ فورڈ (Bealchford) مین رہی، اور اس کا انتقال ہورن کیسل (Horncastle) مین ترسٹھ سال کی عمر مین ہوا، تم کو یاد نہین؟ کہ تم ۱۸۳۵ء مین مارکبی مین اس سے ملنے گئے تھے، اس وقت اس کی ماں الزبتھ کرکھم فوراً ہی ایک طویل بیماری سے اٹھی تھی، اور تمھاری ماں اپنی بہن کی عیادت کو گئی تھی، تم کو کھیت کی گرد گھمایا گیا تھا، اور تم بگھی پر چڑھے تھے، فنی نے تم کو گیہون کے ڈھیر پر گرا دیا تھا، جو وہان ملا جا رہا تھا اور تم کو کیڑون نے بڑے زور سے کاٹ لیا تھا، فنی چاہتی ہے کہ تم اپنی ماں سے اس کا ذکر کرو،

عامل: ہان مین ذکر کرون گا، لیکن کیا یہ مناسب ہے؟

معمول: تم ان کو تو اس معاملہ کی تحقیق کی رغبت تو نہ دلا سکو گے، لیکن تم کو خود تشفی ہو جائیگی کہ تم سے جو کہا گیا ہے وہ سچ ہے،

عامل: کیا اس کو کوئی پیغام بھی دینا ہے؟

معمول: وہ کہتی ہے کہ مین اپنی صلاحیتون مین ناقص رہی، مین چاہتی ہون کہ مین مُبریٰ ہون، لیکن افسوس کہ اُن کے پاس پہنچ نہین سکتی،

عامل: کیا وہ یقین دلا سکتی ہو کہ وہ فینی ہے ؟

معمول: وہ اس سے زیادہ ثبوت نہین دے سکتی، البتہ اپنے باپ سے ڈوننگٹن اور اسکی سیڑھی کا قصہ پوچھ سکتے ہو،

عامل: میری سمجھ مین کچھ نہین آیا کہ کیا قصہ ہے، بہتر ہے مین پوچھون گا، کچھ اور کہنا ہے؟ کیا وہ خوش ہے ؟

معمول: وہ جس عالم مین ہے اس مین جتنا خوش رہنا چاہیے خوش ہے۔

عامل: اس کو میرا پتہ کس طرح معلوم ہو گیا،

معمول: وہ اتفاقاً گھومتی ہوئی اپنی دوست مسز موسنر کے پاس گئی، وہان معلوم ہوا کہ اس کے ذریعہ پیغام بھیج سکتی ہے اور اب وہ واپس جانا چاہتی ہے،

عامل: کیا مین اسکی مدد کر سکتا ہون،

معمول: ہان دعا کرو، اور ہم لوگ سب تمھاری مدد سے فائدہ اٹھا سکتے ہین بشرطیکہ تم مستعدی سے مدد پہنچانے کی کوشش کرو،

عامل: اس سے تمھارا کیا مطلب ہے،

معمول: اس کا یہ مطلب ہے سمجھ بوجھ کر ہمارے پیغامات پہنچاؤ، اس سے ہمین بڑی خوشی ہوتی ہے، وہ بالا و برتر تم پر رحم کرے !

اس کے بعد اسٹنٹن موسنر نے اپنی مان سے یہ واقعات دریافت کئے، تو اس نے تصدیق کی اور اس کو حیرت ہوئی کہ یہ باتین کیسے یاد رہ گئین، وہ تو صرف پانچ برس کا تھا، اسٹنٹن موسنر نے اپنی مان سے عمداً

اس روحانی مراسلہ کا ذکر نہین کیا تھا، اس کے باپ نے بھی تصدیق کی کہ ڈوننگٹن مین وہ جس مکان مین تھا، اس مین ایک سیڑھی تھی، مکان دو منزلہ تھا، اوپر کی منزل سے اچھے مناظر نظر آتے ہین، فینی گھر اُن سے ٹلنی گئی اور پر چڑھ رہی تھی کہ بیچ مین پھنس گئی، اس پر بڑی ہنسی ہوئی تھی،

۴۔ ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر نے ایک مرتبہ رپورٹ کی کہ آنٹ اینی نے جو قضا کر گئی تھی، ایک مسز پائیر کے مراسلات مین انگلینڈ مین کہا۔

"مجھکو نہایت افسوس ہے کہ چارلے اس کا متبنّٰی بیٹا، نے چڑیا کھالی، جس سے وہ بیمار ہو گیا، اور اس کے پیٹ مین تکلیف ہو گئی، اور چند دنون تک بیمار رہا، معلوم نہین کیسی چڑیا تھی کہ اس کے کھانے سے وہ اتنا بیمار ہوا اور بڑی تکلیف اٹھائی، اس سے دریافت کرو، اس واقعہ کی صحت تم کو معلوم ہو جائیگی،

یہ مراسلہ ۲۶ دسمبر ۱۸۸۹ء کو پہنچا تھا، یہ واقعہ کناڈا کا تھا اس لئے مین نے اپنی چچیری بہن کو جو اپنے بھائی سے ملنے کناڈا گئی تھی، لکھا کہ وہ چارلے سے دریافت کرے کہ اُس نے کرسمس کے زمانے مین کوئی چڑیا کھائی تھی، جس سے اوس کو نقصان پہنچا تھا، چونکہ اس استفسار کی کوئی اہمیت نہین تھی، اس لئے اس کا جواب دیر سے ستمبر ۱۸۹۰ء مین آیا کہ

ابتدائے دسمبر مین لڑکون نے جنگلی مرغی شکار کی تھی، دو ہفتہ تک وہ مرغی یونہی لٹکی رہی، چونکہ شکار بے موسم کیا گیا تھا، اور ان چڑیون کو مارنے پر جرمانہ ہوتا تھا، اس لئے اس کو پوشیدہ رکھنا ضروری تھا، کرسمس کے چند دن قبل ہم لوگون نے اس کو کھایا، چارلے نے زیادہ کھا لیا، اس کے پہلے ہی یعنی شکار کے زمانہ سے اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، جس رات کو اس نے چڑیا کھائی تھی، اسی رات کو یا دوسرے دن شہر چلا گیا، جب واپس آیا، تو اس کی صحت زیادہ خراب تھی،

۵۔ ڈاکٹر ہوڈسن بیان کرتے ہین کہ اُن کے ایک چچا بہت ضعیف تھے، جو لندن مین رہتے تھے، وہ اپنے بھائیون مین سب سے بڑے تھے، ڈاکٹر ہوڈسن کے باپ چھوٹے تھے، چار بھائیون مین تین

زندہ تھے، ایک تضا کر چکے تھے، ڈاکٹر ہوڈسن نے اپنے چچا کو روحانی مراسلات سے دلچسپی پیدا کرانے کی کوشش کی، اور اُن سے کہا کہ وہ اپنے متوفی بھائی کی کوئی یادگار جو اُن کے استعمال میں رہی ہو بھیجدیں، ایک دن صبح کی ڈاک سے ایک نہایت کہنہ اور بوسیدہ سونے کی گھڑی پہنچی جو متوفی چچا لگایا کرتے تھے، اس کی خبر انھوں نے کسی کو نہ ہونے دی، ایک دن جب مسز پائپر عمل کر رہی تھیں، وہ گھڑی اُن کے ہاتھ میں دیدی، مسز پائپر فوراً بول اُٹھیں کہ یہ اُن کے متوفی چچا کی گھڑی ہے، جو گر کر مر گئے تھے، وہ اپنے بھائی رابرٹ (Robert) سے بہت زیادہ مانوس تھے، اس لئے مرنے کے بعد اُن سے مراسلہ کرنے کے لئے بہت بےچین تھے، مگر نام معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوئی، آخر میں بڑی مشکل سے ڈاکٹر فیثوٹ نے اس کو جری کا سمجھا، جو جرمیا (نام ان کا جرمیا تھا) کا مخفف تھا، یکدن کا واقعہ تھا جس دن گھڑی ملی تھی،

ڈاکٹر ہوڈسن کہتے ہیں کہ میں نے رفتہ رفتہ مراسلہ بڑھایا، میری خواہش تھی، کہ اُن سے ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات کے متعلق دریافت کیا جائے، جس کی اُن کے بھائی سے تصدیق کیجا سکے، چنانچہ بعد کو اُن کے چچا جیری کی روح نے متفرق واقعات مثلاً جھیل میں سب لوگوں کا مل کر تیرنا اور ڈوب جانے کا خطرہ اسمتھ کے میدان میں بلی کو مارنا، چھوٹی سی رائفل پانا، سانپ کے چمڑے، جیسا ایک چمڑا ملنا وغیرہ بیان کئے جنکی تصدیق دوسرے ذرائع سے ہو گئی،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں رپورٹ میں ہیں، جنکی تصدیق اسکے مطالعہ سے ہوسکتی ہے،

دورِ حاضر کے ان روحانی مراسلات میں مسلمانوں کے لئے کوئی حیرت کی بات نہیں، کیونکہ اسلام نے روح کے مستقل وجود کے متعلق صراحت کے ساتھ بتایا ہے، کہ جسمانی موت کے بعد روحیں موجود رہتی ہیں، اور ان کے مقامات علّیین اور سجّین ہیں، اور اسلامی تاریخ میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، ان میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں،

اسلام کے مشہور فلسفی امام غزالی نے جن کو یورپ میں الغزل کہتے ہیں، اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم

میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر آنے سے بہت پہلے ایک دن مکہ میں فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون خدا کی قسم حسین شہید ہوگئے، لوگ اس خبر سے متحیر ہوئے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک شیشی خون سے بھری لئے ہوئے فرما رہے ہیں، میری اُمت نے میرے بچے کو مار ڈالا، یہ اس کا اور اس کے رفیقوں کا خون ہے، میں اس کو خدا کے پاس لیجاتا ہوں، اس واقعہ کے چوبیس دن کے بعد حادثۂ کربلا کی خبر پہنچی، اور معلوم ہوا کہ جس دن حضرت عبداللہؓ نے یہ خواب دیکھا تھا، اسی دن حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہوئی تھی، یہ واقعہ چند دوسری کتابوں میں بھی درج ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روحیں موجود ہیں، جو حالاتِ دنیا سے واقف ہوتی ہیں،

ابن عساکر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ اُن کے صاحبزادے عبدالعزیز نے اپنے بزرگوار کو خواب میں دیکھا، اُن سے پوچھا کہ آپ کا کون سا عمل زیادہ کام آیا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ توبہ کام آئی،

ابن عابد دینار اور ابن جوزی نے صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے، اور آپس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ جو شخص پہلے مریگا وہ زندہ بھائی کو عالم بالا کے حالات سے آگاہ کرے گا، صعب کا انتقال پہلے ہوا، عوف نے اُن کو خواب میں دیکھا، پوچھا مرنے کے بعد کیسی گذری، کہا مشکل سے نجات حاصل ہوئی، عوف نے صعب کی گردن پر ایک سیاہ نشان دیکھا، دریافت کیا یہ کیا ہے؟ صعب نے کہا کہ یہ ایک یہودی کے قرض کی وجہ سے ہے، جواب تک میرے ذمہ واجب الادا ہے، پھر کہا کہ میرے ترکش میں ایک بٹوا ہے، اس میں کچھ نقد ہے، اوس سے یہودی کا قرض ادا کر دو، یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے گھر کے سب واقعات معلوم ہیں، ایک بلی مر گئی ہے، چھ دنوں میں اس کی لڑکی مرنے والی ہے، اس خواب کے بعد عوف صعب کے گھر گئے، اور بٹوا ڈھونڈا، اس میں رقم ملی جس سے یہودی کا قرض ادا کیا، بلی کے مرنے کا حال بھی معلوم ہوا، اس کی بھتیجی بخار میں مبتلا تھی،

جو ٹھیک چھٹے دن مرگئی،

حاکم، بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ نے صعب بن مصعب سے روایت کی ہے کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم کے ساتھ ایک قبرستان میں داخل ہوا، آپ نے فرمایا، السلام علیکم یا اھل القبور، اور پوچھا کیا آپ لوگ کچھ اپنا حال بتائیں گے، اور مجھ سے کچھ سنیں گے، صعب کہتے ہیں، میں نے آواز سنی وعلیکم السلام یا امیر المومنین آپ فرمائیں کہ ہمارے بعد کیا واقعات ہوئے حضرت علی نے فرمایا کہ تمھاری بیویوں نے دوسری شادیاں کرلی ہیں، تمھاری معیشتیں تقسیم ہوگئیں، تمھاری اولاد یتیم ہوگئی، تمھارے گھر جن کو تم نے مستحکم بنایا تھا، تمھارے دشمن کے قبضہ میں آگئے، یہ خبریں یہاں کی ہیں، اب تم اپنی کہو، روح نے جواب دیا کہ ہمارے لباس بوسیدہ ہوگئے، بال بکھر گئے، چہرے بدل گئے آنکھیں گالوں پر بہہ آئیں، ریم نتھنوں سے جاری ہے، ہم نے یہاں وہ پایا جو بھیجا تھا، اور وہ کھویا جو چھوڑا تھا،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار کے تعلق کے ساتھ یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ اُن کے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مرزا محمد زاہد ساکن ہرات کے یہاں سے جو ہم لوگوں کو اکبرآباد میں پڑھاتے تھے، واپسی میں ایک پتلی گلی سے گذر رہا تھا، سناٹے کا عالم تھا، میں آہستہ آہستہ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قطعے کے مصرعے گنگنا تا جا رہا تھا،

گرجز بیاد حق بگنی عمر ضائع است　　درجز حدیث یار بخوانی بطالت است

سعدی بشو زلوح دلت نقش غیر حق　　... ... ...

چوتھا مصرع ذہن سے اتر گیا، بہت کوشش کی، مگر یاد نہ آیا، جس سے الجھن سی پیدا ہوگئی یکایک دیکھا کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ سانولا، اور بال بالکل سفید اور نقشہ خوبصورت تھا، میرے پاس سے گذرے اور فرمایا ع

علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

میں بہت خوش ہوا اور کہا جزاک اللہ خیراً، اور ایک بیڑا پان کا بڑھایا اُن کے لینے سے انھوں نے انکار کیا، اور روانہ ہوگئے، جب وہ دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے، تو میں سمجھا کہ یہ اس عالم کے آدمی نہیں ہیں اور میں نے جلدی سے پوچھا مہربانی فرماکر اپنا نام بتا دیجئے کہ فاتحہ سے یاد کروں فرمایا ہمیں فقیر سعدی است یہ کہکر نگاہ سے اوجھل ہوگئے،

اسی کتاب انفاس العارفین میں درج ہے کہ مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ شہادت کے بعد اکثر میرے سامنے مجسم تشریف لاتے اور مجھے گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سناتے، ایک دفعہ میرے بھائی کی لڑکی کریمہ بیمار پڑی، اور علالت نے طول پکڑا، ایک دن میں اپنے حجرہ میں تنہا بیٹھا تھا کہ یکایک والد رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور فرمایا،

"کریمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں" لیکن اس کے علاوہ اور کوئی عورت نہ ہو، مجھے ان کے سامنے ہونا برا معلوم ہوتا ہے"،

میں نے ایک پردہ ڈال دیا، دوسری عورتیں پردہ کی آڑ میں ہوگئیں، اور والد صاحب میرے سامنے کریمہ کے پاس تشریف لے گئے، کریمہ بول اٹھی "یہ لوگ کہتے تھے یہ مرگئے مگر یہ تو زندہ ہیں،" فرمایا بیٹی تم نے بہت مصیبت جھیلی، انشاءاللہ کل صبح تم کو صحت کامل ہوجائیگی، یہ کہکر دروازہ کے باہر نکل گئے، میں بھی پیچھے چلا، حکم ہوا لوٹ جاؤ، اور نظر سے اوجھل ہوگئے، اس کے دوسرے دن صبح کو کریمہ کا انتقال ہوگیا،

ایسے بے شمار قصے ہیں جو کتابوں میں بھی درج ہیں، اور زندہ لوگوں کے تجربہ میں بھی آتے رہتے ہیں، میں نے خود بارہا ان کا تجربہ کیا ہے، اور بعض لوگوں نے مجھ سے اپنے تجربے بیان کئے ہیں، میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس طرح کے واقعات ہمیشہ صحیح اور واقعی عالم ارواح کے انکشافات ہوتے ہیں، لیکن بعض صحیح بھی ہوتے ہیں، اس سے اس کا مطلق انکار درست نہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل ہیں، اور آنے والی زندگی کے خیال سے اعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے

کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے اس عالم مین رنج ومصیبت کا سامنا کرنا پڑے، یہ مضمون مزید وضاحت وتفصیل کا طالب تھا، مگر مین نے اس سے زیادہ تفصیل مین پڑنا اس لئے مناسب نہین سمجھا کہ اس زمانہ مین اس کے خشک موضوع سے بہت کم لوگون کو دلچسپی ہوگی، اگر ناظرین معارف نے اس کو دلچسپی کی نظر سے دیکھا تو آیندہ وقتاً فوقتاً اس سلسلہ کے لئے جدید اکتشافات پیش کئے جائین گے،

آخر مین اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ ان روحانی اعمال کو نہ علم غیب سے کوئی تعلق ہے اور نہ کسی مافوق البشری طاقت سے بلکہ یہ صرف روحانی مشق و ممارست کے کرشمے ہین، جن کو ہر شخص مشق سے حاصل کر سکتا ہے، اور اس سے کسی انسان کو نفع وضرر نہین پہنچ سکتا ہے، اور نہ پہنچایا جا سکتا ہے، علم غیب اور نفع وضرر صرف خداے مطلق کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے اس عمل سے عقیدہ مین خلل پڑنے کا اندیشہ نہین ہے، بلکہ اسکی حیثیت محض روحانی کرشمہ کی ہے، جس سے بعض بزرگون نے روحانی و اخلاقی فائدے بھی حاصل کئے ہین، اس سے زیادہ سے زیادہ دوسرون کی رشد وہدایت کا کام لیا جا سکتا ہے جیسا کہ بزرگون کے حالات سے معلوم ہوتا ہے، باقی ہر طرح کی قدرت صرف خداے واحد کے اختیار مین ہے، اور اس کے حکم ومنشا کے بغیر بڑے سے بڑا روحانی انسان بھی کچھ نہین کر سکتا،

مین نے یہ مضمون پہلے انگریزی زبان مین لکھا تھا، اس لئے اس کو انگریزی زبان کے ایک مشہور شاعر لانگ فیلو کے مشہور واقعہ پر ختم کرتا ہون، انھون نے اپنے مرنے کے بعد فوراً عالم ارواح سے ریسرچ سوسائٹی کے ایک ممبر کو ذیل کا مراسلہ بھیجا،

"مین بستر مرگ پر تھا کہ یکا یک مین نے اپنے آپ کو ایک سبزہ زار مین پایا، جس کی فضا بڑی خوشگوار، اور جس کا منظر نہایت دلکش تھا، یہ کیونکر ہوا، مجھے معلوم نہین، مگر مین نے گمان کیا کہ یہ موت ہے، مجھے مسرت معلوم ہوئی، کیونکہ مین اپنے ان دوستون سے ملنا چاہتا تھا جو مجھ سے قبل اس عالم مین

پہنچ گئے تھے، تھوڑی دیر مین نہایت سرور انگیز آوازین سنائی دینے لگین معلوم ہوتا تھا کہ ایک جماعت ایک جھاڑی سے خوشی سے مست کچھ گاتی ہوئی میری طرف بڑھی آرہی ہے، اور مجھے ان الفاظ مین نجات کی مبارک باد دے رہی ہے کہ تم اپنے اس عقیدہ کی بدولت جو حیات بعد الموت کے متعلق رکھتے تھے، اور اس نظم کے صلہ مین جو روح کی دائمی زندگی کے بارے مین لکھی تھی، نجات پا گئے"

مرزا مظہر جانِ جاناں کی دو غزلین

از

ازجناب پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب کاکوی

آزاد نے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کو دورِ سوم مین رکھا ہے، اور حاتم کو دورِ دوم مین حالانکہ دونون کا زمانہ ایک ہے، دونون کی پیدایش ۱۱۱۱ھ مین ہے، حاتم کی وفات بروایت آزاد ۱۲۰۷ھ مین اور بروایت مصحفی ۱۱۹۶ھ مین ہے، مظہر کا سالِ وفات ۱۱۹۵ھ ہے، مگر آزاد نے ۱۲۰۱ھ سمجھا ہے،[۱] حالانکہ جو قطعہ تاریخ انھون نے پیش کیا ہے، اس سے بھی ۱۱۹۵ ہی نکلتا ہے،[۲]

محمد یحییٰ تنہا کا بیان بھی گنجلک ہے، وہ تو آزاد کی صداے بازگشت ہین، چنانچہ انھون نے بھی ۱۲۰۱ھ ہی لکھا ہے، مگر جو قطعہ تاریخ وہ لکھتے ہین اس سے ۱۱۹۵ھ ہی برآمد ہوتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی نگاہ تعمیہ پر نہین گئی، اس قطعہ مین رو ے درد سے" تاریخ نکالی گئی ہے، اس کے نے دکے چار عدد جوڑنے ہون گے،[۳] دونون سے غلطی اس بنا پر ہوئی کہ مظہر کا سن دونون نے ۷۹، ۸۰ برس قرار دیا ہے، جو محض قیاسی ہے،

حاتم پرگو شاعر تھے، ریختہ مین کافی محنت کی تھی، مظہر دراصل فارسی گو تھے، اور اسی مین اُن کے جوہر نمایان ہوے، اگر کبھی کبھی ریختہ مین بھی طبع آزمائی کرلیتے تھے، مگر ان کا کمال یہ ہے کہ ان کی آغوش تربیت مین بڑے بڑے فن کار شاعر پروان چڑھے، حاتم نے اپنے ۴۵ شاگردون

[۱] عاشق حمید، مات شہیدا، آب حیات ص ۴۴، ۲ تاریخ سودا ص ۱۴۵ [۵] مراۃ الشعراء ص ۱۱۶

کا نام گنایا ہے، اس مین سرِ دفتر سودا ہین، مجھے اس کے ماننے مین تامل ہے، اس لئے کہ سودا کا سالِ ولادت ۱۱۲۵ھ کہا جاتا ہے، اس حساب سے حاتم سودا سے صرف ۱۴ سال بڑے ہوتے ہین اور اگر قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کی رو سے سودا کا سالِ ولادت ۱۱۱۵ھ قرار دیا جائے، تو وہ حاتم سے صرف ۴ سال چھوٹے ہوتے ہین، اس لئے قرائن سے بعید ہے کہ سودا نے حاتم سے اصلاح لی ہو،

مظہر کی شاعرانہ صلاحیتون مین کوئی شک نہین، حسن دوستی اور ذوق تصوف نے اُن کے افکار کو بھی حسین و جمیل بنا دیا تھا، حاتم کے یہان ان چیزون کا فقدان ہے، افسوس ہے کہ مظہر کا اردو کلام بہت مختصر ہم تک پہنچا ہے، اور جو کچھ بھی پہنچا ہے، وہ غیر متحقق طور پر ہے، اور صرف مختلف تذکرون مین ان کے اشعار ملتے ہین، ذیل مین اُن کی دو غزلین درج کی جاتی ہین، جو عام تذکرون مین بھی باختلاف الفاظ پائی جاتی ہین، ان مین کچھ اشعار نئے بھی ہین، .... اُن کے کئی اشعار دوسرے شعراء کے اشعار کے .... ساتھ خلط ملط ہوگئے ہین، رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۰ء مین مظہر جانِ جان (جانجانان نہین) کی دو غزلین تذکرہ تحفۃ الشعراء مؤلفہ افضل بیگ خان اورنگ آبادی سے نقل کی گئی ہین، وہ درج ذیل ہین،

۱۔	اس گل کو ن بھیجنا ہے مجھے خاصبا کے ہات	اس واسطے لگا ہون چمن مین ہوا کے ہات
۲۔	برگ حنا او پر لکھو احوال دل مرا	شاید کبھی تو جا کے لگے دلربا کے ہات
۳۔	جلتا ہون میر زائی گل دیکھ ہر سحر	سورج کے ہاتھ چوری و پنکھا صبا کے ہات
۴۔	آزاد ہو رہا ہون دو عالم کی قید سون	بنا لگا ہے جب سے تی مجھ بے نوا کے ہات
۵۔	مظہر چھپا کے رکھو دلِ نازک مرے تئین	یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہات

نکات الشعراء مین میر نے اس غزل کا صرف ایک شعر نمبر ۳ نقل کیا ہے، اور جلتا ہون کے بجائے مرتا ہون، اور چوری کی جگہ چونری ہے، میرے خیال مین جلتا ہون زیادہ موزون ہے

یحیٰی صاحب تنہانے مراۃ الشعراء ص ۱۱۸ مین اور صاحب گلِ رعنا نے ص ۱۳۱ مین یہ غزل نقل کی ہے، دونون کے ہان واوٗ عطف کی جگہ "تو" ہے، غالباً اس وجہ سے کہ ہندی الفاظ کے ساتھ واوٗ عطف جائز نہین، مگر قدما اس کا خیال نہین کرتے تھے، ان کے کلام کو جون کا تون رہنے دینے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ متعلم لسانیات کے لئے مشعلِ راہ ہو،

شعر نمبر ۱ مین "بجا ہون" کی جگہ مراۃ الشعراء اور گلِ رعنا مین "لگا ہون"، اور "کون" کے بجائے "کو" ہے،

شعر نمبر ۲ مین دوسرا مصرعہ دونون کے یہان اس طرح ہے،

ع شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

میرے خیال مین میرزا کی جگہ "دل ربا" ہی درست ہے مضمون کے لحاظ سے بھی اور اس لئے بھی کہ میرزا کا قافیہ شعر نمبر ۵ مین موجود ہی ہے،

شعر نمبر ۴ گلِ رعنا مین دوسرا مصرع اس طرح ہے،

ع بِنا لگا ہے جب سے مجھ مبنوا کے ہاتھ

جو غیر موزون ہو جاتا ہے اس لئے اس عیب کو مٹانے کے لئے تنہا نے "لفظ کہ" کا اضافہ کر دیا ہے، میرے خیال مین جب سے کی جگہ "جب ستی" ہی ہو گا، کیونکہ اس وقت کی یہی زبان ہی تھی،

شعر نمبر ۵ کا پہلا مصرعہ دونون کے یہان اس طرح ہے،

ع مظہر چھپا کے رکھ دلِ نازک کو اپنے تو

حالانکہ مظہر نے مرے کے تئین ہی لکھا ہو گا، اُن کی زبان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے اُن کے کلام پر اصلاح دیکر ہم انکو داغ کا معاصر کیون بنا دین، یہ ایک اصولی غلطی ہے جس سے اجتناب لازم ہے،

دوسری غزل اورنگ آبادی تذکرہ مین اس طرح ہے ؎

ہماری ہاتھ سے بھاگا ہے دل بے جانِ جان اپنا ہم اس کو جانتے تھے دوست اپنا مہربان اپنا

۲۔ یہ حسرت رہ گئی کس مزے سون زندگی کرتے اگر ہوتا گل اپنا، گلبن اپنا، باغبان اپنا

۳۔ جنون سون اسقدر رو دین کہ رسوا ہو گئین آخر ڈوبایا ہائے ان آنکھون نے آخر خانمان اپنا

۴۔ قفس کے بیچ کیا حسرت ستی بلبل یہ کہتی تھی کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوئے گا بوستان اپنا

۵۔ اری شیرین! خدا سون ڈر خبر لے عاشق اپنے کی کیا فرہاد نے تیشے سون سر لہولہان اپنا

۶۔ یہ بلبل بے اجازت باغبان کے گل سین ملتی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جی دے گی ندھان اپنا

۷۔ کہین دینے سوجی کے وصل ہونا ہات لگتا ہے دیا برباد پروانے نے ناحق دودمان اپنا

۸۔ مرا جلتا ہے دل اس بلبلِ بیکس کی غربت پہ کہ گل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیان اپنا

۹۔ یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت لکھا یون تھا کہ چھوڑے فصلِ گل مین آشیان اپنا

۱۰۔ کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کون اے ظالم جو دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانِ جان اپنا

آبِ حیات، گلِ رعنا اور مراۃ الشعراء تینون مین یہ غزل، شعر کی یکسان ہے، محض خفیف اختلاف لفظی ہے مطلع وہ نہین ہے جو اورنگ آبادی تذکرہ مین ہے، شعر نمبر ۴ و نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷، و نمبر ۹ بھی ان تذکرون مین نہین ہین مطلع کی بجائے دوسرا مطلع اس طرح ہے،

چلی اب گل کے ہاتھون سے لٹا کر کاروان اپنا نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن مین کچھ نشان اپنا

شعر نمبر ۲ مین آبِ حیات اور مراۃ الشعراء مین "کس" کے بجائے "کیا" کیا ہے، گلِ رعنا مین "کس" ہی ہے، "سون" بجائے "سے" دکنی انداز ہے، اور غالباً کاتب کی اصلاح ہے، مرزا مظہر کی زبان نہین، دوسرا مصرع تینون کے یہان اس طرح ہے ع اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغبان اپنا،

شعر نمبر ۳ تینون تذکرون مین اس طرح ہے،

الم سے یان تلک رو دین کہ آخر ہو گئین رسوا ڈبایا ہائے آنکھون نے مژہ کا خاندان اپنا

صرف گلِ رعنا مین ڈبویا ہے،

شعر نمبر ۲ تینوں تذکروں میں "مرا جی جلتا ہے" کے بجائے "مرا جلتا ہے دل"

شعر نمبر ۱ میں "سجن ایسے کوں کی جگہ، سجن اپنے کو" ہے، اور "جو" کی جگہ "کہ" ہے،

شعر نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، ۹ چونکہ ان تذکروں میں نہیں ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ

مظہر کے ہیں یا نہیں، مگر وہ اس وقت تک مظہر ہی کے سمجھے جائیں گے، جب تک کوئی دوسرا اُن کا

دعویدار نہ ہو، مگر شعر نمبر ۸ مظہر کی ملکیت سے خارج ہونا چاہتا ہے، اس لئے کہ امتیاز علی خان عرشی کی تحقیق کے رو

سے یہ شعر آنند رام مخلص کا ہے، اب تک مخلص کا صرف ایک شعر نکات الشعراء کے ذریعہ دستیاب ہو سکا تھا، جو

خدا کے فضل سے وہ ۲۲۳ اردو اشعار کا مالک ہے، عرشی صاحب کی تحقیق کی بنا پر مخلص کا مخطوطہ کلیات رام پور

کی کتب خانہ میں محفوظ ہے، یہ کلیات خود مخلص کا مملوکہ ہے، اور لوہو لہان آن خود انتخاب میں مخلص کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے کہ لام

اول فتحہ و لام ثانی ضمہ (یعنی لَو ہو لُہان) عرشی صاحب کا یہ قابل قدر مضمون معاصر دور جدید حصہ اول

(ادارۂ ادب پٹنہ) میں شائع ہوا ہے، یہ مضمون اس لئے اور بھی قابلِ قدر ہے کہ مخلص کے انتخاب کی اس حصہ کا

جو خود اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جو فوٹو کی شکل میں قاضی عبد الودود صاحب کے پاس ہے، اشعار ریختہ کا مقابلہ کر لیا

گیا ہے، اس نے شعر نمبر ۸ کے متعلق یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ مخلص کا ہے، اس زمین میں مخلص کی پوری

غزل ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے،

کریں گے فصلِ گل دھوم آشنا ہے باغبان اپنا ۔۔۔ قدیمی صاحب اپنا مشفق اپنا مہربان اپنا

خدا تک توڑ شیریں خبر لے اس بچاری کی ۔۔۔ کیا فرہاد نے تیشے سے سر لوہو لہان اپنا

ہوا کی کچھ طرح ہے اور گل نے رنگ بدلا ہے ۔۔۔ اٹھا لے اس چمن سے عندلیب اب آشیان اپنا

پھوا ہے درد مندی کا دھواں اس کے دماغ اندر ۔۔۔ دکھایا چاہیو لالہ کوں داغِ خونچکان اپنا

غزالاں تجھ سے چرچا ہے تری مژگان و ابرو کا

ہمیں بھی ٹک دکھا یو اے میاں ترکش کمان اپنا

———— . ————

لہ نیچ

مطبوعاتِ جدیدہ

فلسفہ کیا ہے؟ از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ تقطیع بڑی،

ضخامت ۲۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ، رتبہ ندوۃ المصنفین اردو

بازار جامع مسجد دہلی،

عام طور سے فلسفہ اور مذہب میں تضاد سمجھا جاتا ہے، جو صحیح نہیں ہے، تضاد فلسفہ کے ناقص مطالعہ

کا نتیجہ ہے، ورنہ دونوں کی غرض و غایت قریب قریب یکسان ہے، یعنی اسرار کائنات کی نقاب کشائی،

تلاشِ حقیقت اور ایک بلند و برتر زندگی کی تعمیر و تشکیل، فرق یہ ہے کہ فلسفہ عقلی فکر و نظر کے ذریعہ یہ مقصد

حاصل کرنا چاہتا ہے، اور مذہب نورِ ہدایت کے ذریعہ، مگر عقلی فکر و نظر کی رسائی صرف عالمِ شہود یا عالمِ

آب و گل تک محدود ہے، اس لئے وہ اکثر اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے، اور حقیقت اس سے ماوراء ہے،

اور نورِ ہدایت غیب و شہود دونوں عالموں کا محرم ہے، اس لئے وہ حقیقت کا مشاہدہ بے نقاب کرتا ہے،

اقبال نے اسی فرق کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے ع

عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

فاضل مصنف نے جن کو عقلی فکر و نظر اور نور ہدایت دونوں سے حصہ ملا ہے، اس کتاب میں

فلسفہ کی حقیقت، اس کی غرض و غایت، اس کے فکر و نظر کے طریقوں، مذہب، فلسفہ اور سائنس کے

فرق ان کے حدود، فلسفہ کے فوائد، اس کے اختلافات و پیچیدگیوں اور اس کے مطالعہ کی دشواریوں

وغیرہ کے بارہ میں قدیم فلاسفۂ یونان سے لیکر موجودہ دور تک کے اساطین فلسفہ تک کے خیالات
ونظریوں کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ تحریر کیا ہے، جس سے فلسفہ کی حقیقت اور اس کی مختصر
تاریخ سامنے آجاتی ہے، اور فلسفہ اور مذہب میں تضاد کے نظریہ کی بھی تردید ہوجاتی ہے، اگرچہ یہ موضوع
بہت دقیق ہے لیکن مصنف کا بیان اتنا سلجھا ہوا ہے کہ ان مباحث کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی،
یہ کتاب اصحاب علم ونظر کے مطالعہ کے لائق ہے،

ادبی وقومی تذکرے از جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول تقطیع اوسط ضخامت
۲۹۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، پتہ:- انجمن ترقی اردو علی گڑھ،

یہ کتاب اردو زبان کے کہنہ مشق ادیب پنڈت کشن پرشاد کول کے ادبی وقومی مضامین کا مجموعہ
ہے، اس میں سات ادبی مضامین ہیں، ہندی اردو یا ہندوستانی، نیا ادب، دیر وحرم کے قصے، اکبر الہ آبادی
اور ان کی شاعری، ہمارا پرانا اور نیا کلچر، لکھنؤ کا ایک لطیفہ، آپی اور رائیلوی کے خطوط، اور سات قومی مضامین
ہیں، مہاتما ریویوشنری کے روپ میں راجہ رام موہن رائے اور برہمو سماج، سوامی دیانند سرسوتی اور
آریہ سماج، رشی رانا ڈے اور سوشل کانفرنس، سرسید احمد خان اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، گنگا پرشاد ورما، نیا لکھنؤ، دنیا کیوں
دیوانی ہورہی ہے، پنڈت جی اس دور کی پیداوار ہیں، جب پرانی تہذیب کی بساط الٹ رہی تھی اور
نئی تہذیب اس کی جگہ لے رہی تھی، اس لئے ان کی ذات دونوں کا سنگم ہے، وہ اپنے آداب واخلاق میں پرانی
مشترک تہذیب کا نمونہ اور زبان وادب اور قومیات وسیاسیات وغیرہ میں ترقی پسند رجحانات اور
اصلاحی خیالات کے حامی ومبلغ ہیں، اُن کے مضامین اور تحریروں میں بھی یہی خصوصیات نمایاں ہیں،
ہندی یا ہندستانی، ہندوستانی زبان کے کنونشن کا خطبۂ استقبالیہ ہے، جس میں اس مسئلہ پر مبصرانہ
نگاہ ڈالی گئی ہے، نیا ادب اعتدال کے ساتھ جدید ادبی رجحان کا آئینہ دار ہے، دیر وحرم کے
قصے، لکھنؤ کا ایک لطیفہ، اور ہمارا پرانا اور نیا کلچر میں ہماری مشترک قدیم تہذیب کے نہایت دلکش

مرقعے ہیں، قومی مضامین میں مذکورۂ بالا اکابر کے سوانح کے ساتھ ان کے قومی، سیاسی اور اخلاقی کارناموں
کی تفصیل بھی تحریر کی گئی ہے، جس سے ہندوستان کی اصلاحی تحریکوں کی مختصر سرگذشت سامنے آجاتی ہے،
اس لئے یہ مجموعہ قومی اور ادبی دونوں حیثیتوں سے مطالعہ کے لائق ہے،

رختِ سفر مرتبہ جناب محمد انور حارث بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۴ صفحے، کاغذ کتابت
وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، پتہ تاج کمپنی لمیٹڈ، بندر روڈ کراچی، ریلوے روڈ لاہور،

ہر صاحب فکر او صاحب قلم کے خیالات اور طرز تحریر میں خواہ وہ شاعر ہو یا نثر نگار عمر وتجربہ میں
اضافہ کے ساتھ تغیر وترقی بالکل فطری ہے، اور رسوخ وپختگی کی منزل پر پہنچنے کے بعد تقریباً ہر صاحب قلم
کو اپنے ابتدائی دور کے بہت سے خیالات اور تحریریں قابل اصلاح نظر آتی ہیں، اسی لئے پرانے اصحاب قلم کا
طریقہ تھا کہ وہ صرف دور کمال کے نتائج فکر کو اصحاب نظر کے سامنے لاتے تھے، جس کا نمونہ دیوان
غالب ہے، جس کا انتخاب خود غالب نے کیا تھا، اس کا اندازہ غالب کے مشہور ومتداول دیوان اور نسخہ
حمیدیہ کے موازنہ سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کا کتنا حصہ چھانٹ دیا تھا، اس اصول کے
مطابق سر محمد اقبال مرحوم نے بھی اپنے ابتدائی دور کے کلام کا معتد بہ حصہ خارج کر دیا تھا، اور بانگ درا
میں صرف منتخب اصلاح شدہ اور معیاری نظمیں شامل کی تھیں لیکن اُن کے ابتدائی دور کی بہت سی
نظمیں اور غزلیں وغیرہ اردو کے پرانے رسالوں میں محفوظ ہیں، اب اقبال مرحوم کے قلم سے نکلے ہوئے ہر
شعر کی حیثیت تبرک کی ہوگئی ہے، اس لئے جناب انور حارث نے ان کی ان منظومات کو جن کو انھوں نے
خارج کر دیا تھا یا اُن کی پرانی شکل حک واصلاح سے بالکل بدل دی تھی، تلاش کرکے رختِ سفر
کے نام سے مرتب کیا ہے، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم الشعراء نے نہ صرف متفرق اشعار بلکہ
بعض پوری کی پوری نظمیں اور غزلیں تک نکال دی تھیں، اور ایسے اشعار تو بہت ہیں، جن کی پرانی شکل
بالکل بدل گئی ہے، اس سے اُن کے کلام کی تدریجی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا مذاق رفتہ رفتہ کتنا بلند ہوتا گیا، اور ان میں کتنی دقت نظر پیدا ہوتی گئی، اگرچہ اس مجموعہ کی بعض نظموں اور اشعار کی خامیاں بہت نمایاں ہیں، مگر ایسے اشعار کی بھی قطعی تعداد ہے جس میں بظاہر کوئی شاعرانہ نقص نظر نہیں آتا، ان کو غالباً انھوں نے اپنے آخری دور کے بلند معیار کے لحاظ سے خارج کیا ہوگا، یہ مجموعہ اس دور کے نوآموز شعراء کے لئے خصوصیت کے ساتھ سبق آموز ہے جو دو چار الٹی سیدھی غزلیں یا ترقی پسندانہ نظمیں کہہ کر صاحب دیوان بن جاتے ہیں، اس مجموعہ سے ان کو معلوم ہوگا کہ حصول کمال کے لئے کتنی مشق و ممارست کی ضرورت ہوتی ہے، اقبال کے کلام کے شیدائیوں کے لئے یہ مجموعہ ایک نادر تحفہ ہے، لیکن اس کا نام رخت سفر معلوم نہیں، کس مناسبت سے رکھا گیا ہے،

یادگار حالی مؤلفہ صالحہ عابد حسین صاحبہ تقطیع بڑی ضخامت ۲۴۴ صفحات، قیمت مجلد للعہ ر
پتہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ۔

مولانا حالی پر اردو میں بکثرت مضامین اور بعض مختصر کتابیں بھی موجود ہیں، مگر ان میں زیادہ تر ان کے علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ ہے، ان کے ذاتی حالات بہت کم اور علمی حالات بھی ان کی اہمیت و وسعت کے لحاظ سے تشنہ ہیں، مذکورہ بالا کتاب ان کی پرپوتی صالحہ عابدہ حسین صاحبہ نے لکھی ہے، اس میں مولانا کے بہت سے ایسے ذاتی حالات ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے اس لحاظ سے اردو میں یہ پہلی کتاب ہے، جس میں ان کے سوانح اور اخلاق و سیرت کے واقعات اس تفصیل سے لکھے گئے ہیں، اور ان کی علمی ادبی اور قومی خدمات بھی کی نظم و نثر اور تصانیف پر بھی مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، مصنفہ ایک مشاق اور صاحب ذوق ادیبہ ہیں، ان کا حسن مذاق اور تصنیفی سلیقہ اس کتاب میں پوری طرح نمایاں ہے، کتاب کے شروع میں مولانا ابوالکلام کے قلم سے مختصر پیش لفظ اور مولانا حالی کے متعلق چند دلچسپ تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے اس کتاب کی لطافت کو دوبالا کر دیا، امید ہے کہ صاحب ذوق طبقہ میں یہ کتاب مقبول ہوگی،

"م"

مکتبۂ دارالمصنفین

(تاریخی کتابیں)

تاریخ اسلام حصۂ اول (عہد رسالت و خلافت راشدہ) قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم (بنو امیہ) سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم (بنی عباس اول) سے عہ ر

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (بنی عباس دوم) سے عہ ر

عرب کی موجودہ حکومتیں (اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور بہ ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن اور فلسطین و شام وغیرہ کے مختصر حالات جمع کئے گئے ہیں) قیمت عہ ر
(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ صقلیہ حصۂ اول (سسلی میں مسلمانوں کے عہد حکومت کی تاریخ) قیمت: صہ ر

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم (سسلی کی علمی و تمدنی تاریخ) ر صہ ر

دولت عثمانیہ حصۂ اول (سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ) قیمت: صہ ر

دولت عثمانیہ حصۂ دوم (فرمانروایان دولت عثمانیہ کے نظامی و تمدنی کارناموں کی تفصیل) صہ ر

تاریخ اخلاق اسلام (اسلامی اخلاق کی تاریخ) عہ ر

(نئی کتابیں)

تاریخ سندھ، (سندھ کی مفصل سیاسی، نظامی، علمی و تمدنی تاریخ) قیمت:- سے ر

اقبال کامل (ڈاکٹر اقبال کے سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل) قیمت:- سے ر

بزم تیموریہ (تیموری بادشاہوں، شاہزادوں اور شاہزادیوں کے علمی ذوق، اور اُن کے دربار کے امراء، شعراء، و فضلاء کے مختصر تذکرہ کے ساتھ اُن کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل) قیمت عہ ر

امام رازی (اس میں شروع میں امام فخر الدین رازی کے سوانح و حالات ہیں، اس کے بعد انکی تصنیفات کی تفصیل ہے، اور پھر فلسفہ و علم کلام و تفسیر کے اہم مسائل کے متعلق ان کے نظریات و خیالات کی تشریح ہے) قیمت:- سے ر

بزم صوفیہ (اس میں عہد تیموریہ سے پہلے کے صاحب تصنیفات صوفیہ کرام، مثلاً شیخ ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ کے مستند حالات اور تعلیمات ایک نئے انداز میں پیش کئے گئے ہیں) قیمت:- سے ر